ا

حالم (نمرہ احمد)

بارہواں باب:

''سلطان ساز''

اس نے خواب میں دیکھا کہ...

وہ راہداری میں کھڑی ہے...

سامنے چند آفس بنے ہیں...

جن کی دیواریں شیشے کی ہیں...

ایک آفس کے اندر کا منظر وہ صاف دیکھ سکتی ہے...

اس میں ایک سیاہ کوٹ والا آدمی کھڑا ہے...

میز سے ٹیک لگائے' سینے پہ بازو لپیٹے'

وہ تالیہ کی طرف دیکھ رہا ہے...

اور تالیہ...

وہ راہداری میں کھڑی ہے...

ہاتھ میں ایک بڑا سا زرد پلے کارڈ ہے'

جسے وہ شیشے کے دروازے پہ چسپاں کر رہی ہے!

آفس کاریڈور میں نیم اندھیرا ہے...

جیسے اکثر لوگ جا چکے ہوں...

کارڈ چسپاں کر کے وہ مڑتی ہے..

اور ایک چبھتی ہوئی نظر اس آدمی پہ ڈالتی ہے...

....

تاریخ تھی سولہ جولائی۔شہر تھا جدید ملاکہ۔سن تھا دو ہزار سولہ اور وقت تھا رات کے ساڑھے گیارہ بجے جب وہ تینوں سن باؤ کی حویلی میں کھڑے تھے۔

زمین اپنے خفیہ راستوں کو چھپائے برابر ہو چکی تھی۔ایڈم ٹی وی چلا کے تاریخ معلوم کر رہا تھا اور تالیہ بے یقینی سے گول گول گھوم کے اطراف کو دیکھ رہی تھی۔

صرف وان فاتح دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے بے تاثر سا کھڑا تھا۔صرف اسے معلوم تھا کہ کیا ہونے جا رہا ہے۔گردن میں پڑی زنجیر ہر گزرتے لمحے بھاری ہوتی جا رہی تھی۔

(''تم اس کو اپنی جیب میں نہیں ڈالو گے۔اس کو ہاتھ یا گردن میں پہنے رکھنا۔'' رابعہ مراد کی آواز ذہن میں گونج رہی تھی۔''اس کو اپنی جلد کے ساتھ لگائے رکھنا ورنہ یہ راکھ بن جائے گی۔اگلے دن کا سورج طلوع ہوتے ہی یہ ٹوٹ جائے گی۔اور تمہارے ذہن سے سب کچھ محو ہو جائے گا جو دو امر لمحوں کے درمیان میں ہوا تھا۔''

''اور میری یادداشت واپس کیسے آئے گی؟'' خالی بوتل دونوں کے درمیان میز پہ رکھی تھی۔اس کو دیکھ کے فاتح نے پوچھا تھا۔

''نہیں آئے گی۔کبھی نہیں آئے گی۔واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے غلام فاتح!'' وہ ایک دم غصے سے بولا تھا۔)

پولیس کے سائرن سنائی دینے لگے تو ایڈم دروازے پہ جانے لگا۔فاتح نے اسے روک دیا۔ان دونوں کو صحن میں چھوڑ کے اس نے راہداری عبور کی اور باہر کا سرخ دروازہ کھولا۔

باہر چھوٹی صاف ستھری سڑک تھی جس کے دونوں اطراف میں ایسے ہی تاریخی گھر اور ریستوران بنے تھے۔دکانوں کے باہر چھپر تلے لوگ کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔

سن باؤ کے گھر کے سامنے پولیس کار کھڑی تھی اور دو آفیسرز گھر کے دروازے پہ منتظر کھڑے تھے۔فاتح نے دروازہ بند کیا اور باہر نکل آیا

-

''السلام علیکم فاتح صاحب!'' ایک افسر نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔''آپ کے گارڈ کی کال آئی تھی کہ چور گھس آئے ہیں۔خیریت ہے؟ ہم اندر آ جائیں۔'' ساتھ ہی ایک نظر اس کے کرتے پاجامے پہ ڈالی۔

''نہیں، گھر میں نہیں۔باہر سڑک پہ لوٹا ہے انہوں نے۔'' وہ گہری سانس لے کر بتانے لگا۔''میں ابھی تھانے آ کے پورا واقعہ بتاتا ہوں، فی الحال گھر میں کچھ میڈیا والے موجود ہیں۔ان کے جاتے ہی میں آتا ہوں۔''

''مگر سر.....!''

''کیا تم مجھے نہیں جانتے؟ تمہارا ڈپٹی کمشنر میرا کلاس فیلو ہے۔اس سے کہو کہ میرا انتظار کرے۔میں خود آ کے رپورٹ لکھواؤں گا۔'' وہ

دوٹوک انداز میں بولا۔ ''مجھے لباس بدل کے منہ ہاتھ دھونے دو۔'' ایک افسر بے چین ہوا تو دوسرے نے فوراً اشارہ کیا۔

''جی سر' ڈی سی پی صاحب نے ذکر کیا تھا۔ٹھیک ہے ہم آپ کا انتظار کریں گے۔''

فاتح نے ہاتھ سے اشارہ کیا (اب جاؤ) اور واپس مڑ گیا۔

تالیہ اور ایڈم کو وہاں سے بھیجنے میں اسے چند منٹ لگے تھے۔ جیسے ہی وہ گھر سے نکلے' وہ تیزی سے برآمدے کی طرف لپکا۔ چار ماہ پہلے ایڈم کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہی عادتاً اس نے کار کی چابی دروازے کے ساتھ بنی کھونٹی پہ لٹکائی تھی۔ وہ وہیں تھی۔ اس کا لوہا اب بھی ٹھنڈا تھا۔

وہ باہر سڑک پہ آیا تو تالیہ اور ایڈم جا چکے تھے۔ اس نے کار سے اپنا بیگ نکالا اور واپس برآمدے میں آکے اسے کھولا۔ گردن میں جھولتی چابی ہر گزرتے پل بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔

''پلان کیا ہے' ڈیڈ؟'' کونے میں کھڑی آریانہ کی آواز نے اسے چونکایا۔ اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ وہ بازو سینے پہ لپیٹے تنقیدی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میرے پاس صبح تک کا وقت ہے' اور مجھے چند اہم کام کرنے ہیں۔'' لیپ ٹاپ نکالتے ہوئے وہ برآمدے میں بچھی مسہری تک آیا' اور وہاں بیٹھا۔ اسکرین روشن ہوئی۔ نیلی روشنی میں اس کا چہرہ دمکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

''کیا کر رہے ہیں' ڈیڈ؟'' وہ ابھی تک فاصلے پہ کھڑی تھی۔ فاتح تیز تیز کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

''ایڈم کو ای میل لکھ رہا ہوں۔ جو نہیں بتایا وہ بتا رہا ہوں۔''

''اور تالیہ؟ اس کو چھوڑ دیں گے آپ؟''

ٹائپ کرتی اس کی انگلیاں تھمیں۔ گلہ آمیز نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''چھوڑنا اتنا آسان ہوتا ہے کیا؟''

''تو پھر اسے کہا کیوں تھا کہ چھوڑ دیں گے؟''

''چھوڑ تو دوں گا۔ یہی بتانے کے لئے میل لکھ رہا ہوں۔'' وہ اب سرعت سے ٹائپ کر رہا تھا۔ ''یہ الگ بات ہے کہ ایسا لگ رہا ہے جیسے....''

''جیسے؟''

''جیسے مراد راجہ نے چند گھنٹے دیے ہوں کہ وان فاتح ..... یہ اتنا وقت ہے تمہارے پاس' اس کے بعد تم مر جاؤ گے۔ سو جو کرنا ہے اس دوران کر لو۔ اب تم بتاؤ آریانہ.... کیا مرنے سے پہلے کوئی کسی کو چھوڑنے کی خواہش کر سکتا ہے؟''

سن باؤ کے قدیم برآمدے میں خاموشی چھا گئی۔ کنویں کے اندر جیسے خاموشی۔ آریانہ دکھ سے اسے دیکھے گئی۔

''ڈیڈ... اس کو چھوڑ دیں۔ جب سب بھولنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس کو خود سے کیوں باندھ کے رکھتے ہیں؟''

وہ ٹائپ کرتے ہوئے رکا تو وہ جلدی سے بولی۔

''واپس آ کے میل مکمل کرتا ہوں۔ابھی ہمت نہیں ہو رہی۔''اس نے آدھی میل چھوڑ کے اسکرین فولڈ کر دی۔ پھر وہ اٹھا اور اوپر کی طرف چلا گیا۔

چند منٹ بعد وہ سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا تو زینوں کے اختتام پہ بیٹھی آریانہ نے گردن اس کی جانب موڑی۔

''ان چار ماہ کی ساری نشانیاں مٹا آئے ہیں آپ؟''وہ حیران ہوئی تھی۔

اس نے سیاہ شرٹ اور پینٹ پہن رکھی تھی۔شیو بن چکی تھی۔بالوں کو قدرے تراش کے پرانی حالت پہ لے آیا تھا۔قلموں سے بال سفید تھے' باقی دائیں طرف مانگ نکال کے گیلے کر کے جما رکھے تھے۔گردن میں زنجیر اب بھی نظر آ رہی تھی۔ہاتھ میں شاپر تھا جس میں ملاکہ والے کپڑے اور جوتے تھے۔اپنے تمام زخموں پہ اس نے نئے زمانے کے بینڈ ایڈ لگا دیے تھے۔

''نشانیاں مٹانے کے سوا چارہ ہے کیا؟ کل جو وان فاتح نیند سے جاگے گا' اس کو کسی بھی چیز پہ شک نہیں ہونا چاہیے ورنہ وہ شدید ذہنی پریشانیوں میں گھر جائے گا۔اس کے لیے ہر چیز نارمل ہونی چاہیے۔''وہ تیز تیز زینے پھلانگ رہا تھا۔آخری زینہ عبور کر کے آگے بڑھ گیا تو آریانہ نے پکارا۔''اور جسم پہ لگے اَن گنت زخموں کا کیا؟''

''انہی کا بندوبست کرنے جا رہا ہوں۔''

کار کی چابی اٹھائے وہ تیز قدموں سے گھر سے باہر نکل آیا۔سڑک کنارے لگے کوڑے دان میں سیاہ شاپر میں مقید چیزیں پھینکیں اور ڈھکن بند کیا۔گویا زندگی کا ایک باب بند کیا۔

چند لمحوں کے لیے اندر تک سب خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ پولیس اسٹیشن کے ایک کشادہ کمرے میں موجود تھا۔آفس چیئر پہ ڈپٹی کمشنر براجمان تھا اور اس کے سامنے بیٹھا فاتح کندھے اچکا کے کہہ رہا تھا۔سامنے ہی اسٹینڈ پہ کیمرہ نصب تھا جو اس کا بیان ریکارڈ کر رہا تھا۔

''میں ملاکہ تین دن کے لیے آیا تھا مگر تین گھنٹے بھی نہ رک سکا۔میں ملاکہ سے واپس جا رہا تھا کہ میرا باڈی گارڈ میرے پاس آیا۔یہ ریکارڈ ہو رہا ہے نا؟''اس نے اپنے دوست کو اشارہ کیا تو اس نے سر کو خم دیا۔

''گڈ۔مجھے یہ ویڈیو ای میل کر دینا۔میرا دماغ اس وقت سب چیزوں کو مکس اپ کر رہا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ صبح جب میں یہ ویڈیو دیکھوں تو مجھے یاد رہے کہ ان تین گھنٹوں میں میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔''اس نے تین انگلیوں سے کنپٹی مسلی۔

''آپ کہہ رہے تھے...؟''

''ہاں...میرا باڈی گارڈ آیا تھا میرے پاس۔وہ میرے ساتھ گاڑی میں ہی تھا جب تین آدمی آئے اور انہوں نے ہم پہ پستول تان لئے۔پھر ہمیں باہر نکالا۔وہ مجھ سے والٹ' پیسے اور فون مانگ رہے تھے۔وہ تین چیزیں جو یہ سارے چور مانگتے ہیں۔مگر....''کندھے اچکا کے

کیمرے میں دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔ ''اتنی آسانی سے وان فاتح ہار کب مانتا ہے؟ میں بحث اور سوال و جواب کرنے لگا۔ ان کو میرے سوال برے لگے تو انہوں نے جارحیت کا مظاہرہ کیا۔''

''کیسے؟'' آفیسر نے تشویش سے اسے دیکھا۔

''ہاتھا پائی ہوئی۔ اور وہ موبائل، بٹوہ سب چھین کے لے گئے۔ مجھے بے ہوش کرنے کے لئے کوئی سرنج بھی لگائی۔'' اس نے اپنے بازو کی طرف اشارہ کیا جو شرٹ کے آستین سے ڈھکا تھا۔ ''اس کے بعد سے میرا دماغ غنودگی کی سی کیفیت میں ہے۔ میرا باڈی مین.. (تصحیح کی) باڈی گارڈ مجھے گھر لایا۔ ہم وہاں تماشہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو خبر ہو کہ مجھے یوں لوٹا گیا ہے۔ اب بھی میں رپورٹ نہیں کروانا چاہتا۔ اس سب کو صیغہ راز میں رہنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے سر۔ جیسے آپ کی مرضی۔ میں اس بات کو کور کر دوں گا۔'' پھر آفیسر نے غور سے اسے دیکھا۔ ''میں ایک بات نہیں سمجھ سکا۔ وہ مسلح تھے اور انہوں نے آپ پہ تشدد بھی کیا لیکن..انہوں نے آپ سے گاڑی نہیں چھینی؟''

وان فاتح کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھرتی دکھائی دی مگر چہرہ پر سکون رہا.....

''میں نے ان سے یہ سوال نہیں پوچھا۔ ہر سوال کا جواب مل جائے' یہ ضروری نہیں ہوتا قمر الزمان!''

''خیر....ہم اپنے طور سے تفتیش کریں گے' جو بھی سامنے آیا آپ کو مطلع کیا جائے گا۔''

وان فاتح اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر کیمرے کو دیکھا۔ ''مجھے یہ ویڈیو بھیج دینا۔ لازمی۔ تین منٹ سے زیادہ مت لینا۔ مجھے بار بار تم سے سوال کرنا اچھا نہیں لگے گا۔'' زور دیا۔

''جی سر۔ اور آپ کا میڈیکل چیک اپ....''

''اس کی ضرورت نہیں' میں ٹھیک ہوں۔ بس یوں لگتا ہے کہ سارا وقعہ ذہن سے پھسل رہا ہو'' اس نے مصنوعی نقاہت سے کہتے ہوئے کنپٹی کو چھوا۔ افسر نے کیمرا آف کیا تو فاتح نے ہاتھ نیچے کر لئے۔ وہ ایک دم بہتر نظر آنے لگا۔ بس عجلت میں مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور خدا حافظ کہہ کے باہر نکل گیا۔ کمشنر اس کو الجھی سوچتی نگاہوں سے جاتے دیکھنے لگا۔

وان فاتح کو اتنی جلدی کیوں تھی؟ جیسے وقت کم ہو اور اسے بہت کچھ کرنا ہو۔ جیسے اسے کسی جگہ پہنچنا ہو۔ اتنی رات میں؟

صبح ہونے میں ابھی گھنٹہ بھر باقی تھا جب سن باؤ کے گھر کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔ آہستہ سے دروازہ بند کر کے وہ مڑا تو چہرے پہ شدید تھکن کے آثار تھے۔

رات کے اس پہر راہداری سنسان پڑی تھی۔ وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتا آگے آیا۔ برآمدے کی مدھم بتی جل رہی تھی اور لکھائی کی میز پہ لیپ ٹاپ فولڈ شدہ دکھائی دے رہا تھا۔ چارجنگ لگی تھی۔ وہ پژمردہ سا کرسی تک آیا اور اسکرین اوپر اٹھائی۔ آدھی لکھی ای میل سامنے جگمگا رہی تھی۔

کیا اب وہ ''چھوڑ دینے'' کی باتیں لکھ سکے گا؟ بالخصوص ان گزشتہ چند گھنٹوں کی 'دوڑ دھوپ' کے بعد علم میں آنے والی 'باتوں' کے بعد ....کیا اب بھی وہ اس کو چھوڑ سکے گا؟

وہ کرسی پہ گر سا گیا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ اس نے بھول جانے کا فیصلہ تب کیا تھا جب رابعہ مراد نے اس کے سامنے کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی۔ تب نہیں لگا تھا کہ تالیہ کو چھوڑنا اتنا کٹھن ہوگا۔ اور اب بھی وہ چھوڑ دیتا اگر یہ چند گھنٹے درمیان میں نہ آئے ہوتے۔

مگر اب نہیں۔

اس نے چہرہ اوپر اٹھایا اور لیپ ٹاپ قریب کھسکایا۔ آنکھیں سپاٹ ہو گئیں اور انگلیاں کی بورڈ پہ حرکت کرنے لگیں۔

''اس کو چھوڑ دیں ڈیڈ۔ اس کو آزاد کر دیں۔ اپنا نہ سوچیں۔ اس کا سوچیں۔''

آریانہ اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور التجا کرنے لگی۔ وہ کی بورڈ سے نظریں ہٹائے بغیر ٹائپ کرتے ہوئے بولا۔

''پہلے اسے بھول جانے کا فیصلہ اس لئے کیا تھا کیونکہ تب مجھے اپنی یہ جدید دنیا واپس چاہیے تھی۔ اور ان دونوں کو بھی۔ لیکن اب اسے ساتھ رکھنے کا فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ مجھے اپنی ''امید'' بھی واپس چاہیے۔ ملکہ درست کہتی تھی میں واقعی خودغرض ہوں۔'' آواز میں آنچ سی تھی۔

ای میل مکمل کر کے اس نے اسے شیڈیول کیا۔ رات پونے بارہ شروع کی گئی میل صبح چار بجے کے قریب مکمل ہوئی تھی۔ اختتام آغاز سے مختلف تھا۔ میل بھیج کے وہ رکا اور ایک دوسری میل کی۔

''یہ ایڈم کو بیس جولائی کی صبح ملے گی۔ اور تب ہی ملنی چاہیے۔'' ایسے دہرایا جیسے بالآخر اس نے اپنے مقصد کو جان لیا ہو۔ آریانہ خاموشی سے اسے کام کرتے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنی ذاتی ای میل کھولی تو سامنے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی ای میل جگمگا رہی تھی۔ اس نے اس کو ان چھوا رہنے دیا اور اسکرین فولڈ کر دی۔

پھر گلے کی زنجیر اٹھا کے آریانہ کو دکھائی۔ ''اب اس سے نجات حاصل کرنی ہے۔ اس کے ٹوٹتے ہی مجھے نیند آ جائے گی اور صبح میرے ذہن کی سلیٹ خالی ہو چکی ہو گی۔ اور میں خود بھی بھول چکا ہوں گا کہ وہ چابی....کہاں گئی!''

یہ کہہ کے وہ زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ گردن میں پڑی زنجیر کو ابھی تک ہاتھ میں مروڑ رکھا تھا۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے اور وہ اوپر چڑھتا جا رہا تھا۔

ایک نئی زندگی کی طرف۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سترہ جولائی کی صبح ملاکہ کے باسیوں کو جگانے کے لئے روشنی نے ہر کھڑکی پہ دستک دی تو سن باؤ کے گھر کا وہ کمرہ بھی منور ہونے لگا۔ بیڈ پہ آڑے ترچھے لیٹے وان فاتح کی آنکھ تیز روشنی سے کھلی تو وہ جیسے چونکا۔ پھر اٹھنا چاہا تو جسم میں شدید ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ وہ واپس لیٹ گیا

اور آنکھیں بار بار جھپکیں۔ ذہن بالکل خالی تھا۔ وہ کہاں تھا' کیوں تھا' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

پھر دھیرے سے وہ اٹھا اور اطراف میں دیکھا۔

وہ اپنے ملاکہ والے گھر کے کمرے میں تھا۔ نیند اتنی گہری آئی تھی کہ یوں لگتا تھا عرصے بعد جاگا ہو۔

سوچوں کو مجتمع ہونے میں چند لمحے لگے تھے۔ وہ اٹھ کے بیٹھا اور تعجب سے کمرے کو دیکھا۔

آہستہ آہستہ یادداشت واپس آنے لگی۔

وہ تو رات کے ایل واپس جا رہا تھا۔ پھر رک کیوں گیا؟ یاد کیوں نہیں آ رہا تھا؟

سکندر جولیانہ اور عصرہ شام سے پہلے چلے گئے تھے۔ پھر وہ سمندر پہ گیا تھا۔ پھر وہ بیگ سمیٹ کے جا رہا تھا۔ پھر؟ وہ کیوں رک گیا؟

سیل فون کی تلاش میں ہاتھ مارا تو سائیڈ ٹیبل خالی تھا۔ وہ اچنبھے سے اٹھا۔ جسم بے حد درد کر رہا تھا۔ وہ آنکھیں مسلنے کو ہاتھ اوپر لایا تو چونکا۔ ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔ فاتح کی آنکھوں میں بے یقینی اُمڈ آئی۔ ہاتھ الٹ پلٹ کر کے دیکھا۔ پھر بازو اٹھا کے اوپر نیچے گھمایا۔ وہاں بھی چند بنڈیج لگے تھے۔

وہ قدم قدم چلتا دیوار پہ آویزاں آئینے تک آیا اور پھر بالکل منجمد ہو گیا۔

شیشے میں دکھائی دیتی اس کی شکل تو وہی تھی مگر..... کچھ مختلف تھا۔ اس نے آنکھیں چندھیا کے بے یقینی سے خود کو دیکھا۔ پھر مزید قریب آیا۔ آنکھ اور کنپٹی کے قریب زخم تھا۔ گردن پہ خراشیں۔ اس نے شرٹ گریبان سے نیچے کی' بٹن کھولے اور شرٹ اتاری۔ پھر گھوم کے دیکھا۔

کمر اور کندھوں پہ زخموں کے نشان تھے۔ سینے پہ بھی ضربیں لگی تھیں۔

اس نے پیشانی چھوئی اور آنکھیں موندیں۔ آخری چیز کیا ہوئی تھی؟

ہاں وہ ایڈم کے ساتھ کار میں بیٹھا تھا۔

ایک جھماکے سے اسے یاد آیا۔

اور ایڈم کچھ کہہ رہا تھا۔ اسے کچھ دے رہا تھا۔ سنہری چیز۔ پھر کیا ہوا تھا۔

مگر ذہن بالکل صاف تھا۔ تختہ سیاہ کی طرح صاف۔ بلیک ہول کی طرح خالی۔

پھر وہ تیزی سے باہر نکلا۔ زینے پھلانگے اور نیچے آیا۔ برآمدے میں آ کے وہ ٹھٹکا۔ لیپ ٹاپ سامنے رکھا تھا۔ اس نے تو کل سامان سمیٹ کے کار میں ڈالا تھا اور وہ کے ایل واپس جا رہا تھا پھر اب...؟؟

وہ قریب آیا اور اسکرین روشن کی۔ سامنے آفیسر کی ای میل جگمگا رہی تھی۔ وہیں میز کنارے جھکے فاتح نے بھنچی بھنوؤں کے ساتھ ای میل کھولی۔

''آپ کی درخواست کے مطابق آپ کے بیان کی ویڈیو بھیج رہا ہوں۔''

ویڈیو چلائی تو جو منظر سامنے آیا اس نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ تعجب اور بے یقینی سے وہ خود کو اسکرین پہ بولتے دیکھ رہا تھا۔ تھکا ماندہ، زخمی سا فاتح اسی لباس میں بیٹھا لوٹے جانے کا واقعہ بتا رہا تھا.... پھر اس نے کہا کہ لٹیروں نے اسے کوئی سرنج لگائی تھی جس سے اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا.... ایسے جیسے وہ بار بار بھول رہا ہو۔

"تو یہ ہوا تھا رات کو؟" وہ بے یقین تھا۔ "مگر مجھے کچھ یاد نہیں۔ کیا میں بوڑھا ہو رہا ہوں؟ یا شاید.... کوئی غنودگی کی دوا انہوں نے مجھے دی تھی؟ یا اللہ!"

اس نے کراہ کے سر جھٹکا۔ یہ پستول دکھا کے لوٹ لینے والا واقعہ اسے کیوں نہیں یاد تھا؟ عجیب بات تھی.... ایسا کبھی پہلے نہیں ہوا تھا۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا کہ موبائل نکال کے آفیسر کو کال کرے مگر.... موبائل کہاں گیا....

اچھا ہاں، ویڈیو کے مطابق وہ چور لے گئے تھے۔ عجیب بات تھی۔ بہت عجیب بات تھی۔

پھر اس نے برآمدے کی دیوار پہ آویزاں گھڑی دیکھی۔ آج پارلیمان کا اجلاس تھا۔ اور وہ ناغہ کر چکا تھا۔ اُف۔ ساری باتیں ذہن سے نکلنے لگیں۔ شدید غصہ اور فرسٹریشن چھانے لگی۔ اسے جلد از جلد واپس پہنچنا تھا۔

دوپہر تک وہ واپس گھر پہنچا تو عصرہ اور بچے لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔ وہ اندر داخل ہوا تو سکندر اسے دیکھتے ہی بھاگتا آیا اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ کسی زخم پہ سکندر کا ہاتھ لگ گیا اور اسے شدید درد ہوا مگر وہ ضبط کر گیا اور جھک کے اسے پیار کیا۔

"ڈیڈ.... مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ آپ واپس نہیں آئیں گے۔ کھو جائیں گے۔" وہ اس سے لپٹے لپٹے کہہ رہا تھا۔ فاتح نے مسکرا کے اس کے بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔ "بڑے بھی کبھی کھوتے ہیں کیا؟"

"آریانہ بھی تو کھو گئی تھی۔ وہ تو ہم سے بڑی تھی۔"

فاتح کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ایک دم جیب میں ہاتھ ڈالا۔ بٹوہ غائب تھا۔ وہ پاپ کارن۔ وہ کھو چکے تھے۔

اس کے اندر ابال سا اٹھا مگر وہ ضبط کر کے رہ گیا۔ وہ چور یقیناً بٹوہ بھی لے گئے تھے۔ اف۔ اف۔

سکندر الگ ہوا تو فاتح نے چہرہ اٹھایا۔ عصرہ تعجب سے اسے دیکھتی قریب آ رہی تھی۔ "آنکھ پہ کیا ہوا؟ اور ہاتھ پہ؟"

"رات باتھ روم کے لئے اٹھا تو ٹھوکر لگ گئی۔ بے فکر رہو، کچھ نہیں ہوا۔ چند چوٹوں کے ساتھ بھی میں الیکشن لڑ سکتا ہوں۔"

مسکرا کے بات کو کور کرتا وہ اندر کی طرف بڑھا۔ جھوٹ بولنا اس کی فطرت نہیں تھی لیکن لوٹے جانے کا بتانا باعث توہین تھا۔ عصرہ نے الجھ کے اسے جاتے دیکھا، پھر کندھے اچکا دیے۔ وہ ایک ہی دن میں اتنا کمزور لگ رہا تھا۔ رنگت کملائی ہوئی تھی۔ شاید زیادہ دیر ساحل پہ بیٹھ گیا ہو اس لئے رنگ ٹین ہو گیا ہو۔

"یہ تمہاری گردن پہ کیسا نشان ہے۔" کمرے کے دروازے پہ اس کے قدم رک گئے۔ گردن کی پشت کو ہاتھ سے چھوا۔ کچھ ابھرا ابھرا ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔

''کھانا گر گیا تھا۔''

''یہ گرنے کا نشان تو نہیں لگتا۔''عصرہ قریب آنے لگی تو وہ بے زاری سے ''مجھے آرام کرنے دو'' کہہ کے اندر کی طرف بڑھ گیا ۔دروازہ عصرہ کے منہ پہ بند کر دیا تو اس کے ابرو تن گئے۔ ہونہہ میں سر جھٹکا اور مڑ گئی۔

اندر آتے ہی اس نے بتی جلائی۔ پھر سنگھار میز تک آیا۔ دراز سے پاکٹ مرر نکالا اور آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ننھا آئینہ گردن کی پشت پہ لے گیا اور بڑے آئینے میں عکس دیکھا۔

وہاں گول سا جلنے کا نشان تھا۔ اور بھورا پڑ چکا تھا۔ یہ چوٹ اسے کب لگی؟ اتنا صاف گول نشان؟

اس نے آئینہ پرے پھینکا اور نڈھال سا بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟

شام کو وہ کے ایل میں واقع ایک پرائیوٹ کلینک کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ ماتھے پہ بل تھے اور چہرے سے ناخوش لگتا تھا۔ سخت بے زار ۔

سامنے بیٹھا ادھیڑ عمر ڈاکٹر دونوں ہاتھ اٹھائے اس کو سمجھا رہا تھا۔

''میں نے آپ کے سارے زخم دیکھے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے واضح بتائیں کہ یہ آپ کو کب آئے؟''

''میں بتا رہا ہوں اتنی دیر سے کہ کل رات تین لوگوں نے چوری کی کوشش کی تو میں نے مزاحمت کی۔ اس پہ انہوں نے مجھے مارا۔''اس نے پولیس کو دیا بیان دہرا دیا۔

''اسٹرینج۔''ڈاکٹر نے گہری سانس لی۔''ڈریسنگ ہو گئی ہے، دوا بھی دے دی ہے میں نے آپ کو۔ مرہم کا بھی سمجھا دیا ہے، مگر....''اس نے توقف کیا۔''یہ زخم کل کے نہیں ہیں۔''

''تو پھر کب کے ہیں؟''

''کم از کم بھی چار سے پانچ دن پرانے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کسی نے آپ کو لوہے کی زنجیروں سے مارا ہو۔ آپ کے ہاتھ باندھے گئے ہوں۔ کمر پہ چمڑے کے کوڑے یا ہنٹر سے مارے جانے کے نشان ہیں لیکن....''ڈاکٹر نے پھر توقف کیا۔''مجھے آپ کی کمر پہ پرانے نشان بھی ملے ہیں۔ کم از کم تین سے چھ ماہ پرانے نشان۔ وہ بھی مار پیٹ کے ہیں۔ اور یہ گردن کا زخم، اس کو بھی کافی عرصہ بیت چکا ہے۔ یہ تو صاف گرم چیز سے داغے جانے کا نشان ہے۔''

وہ جواب میں ذرا جھنجھلایا۔''میں نہیں جانتا کہ آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے۔ مگر یہ کل کے ہی ہیں۔''

''مگر اتنی جلدی کھرنڈ کیسے بن سکتے ہیں، فاتح صاحب؟''پھر فاتح کا ناخوش چہرہ دیکھ کے بات بدل دی۔''خیر آپ فکر نہ کریں، دوا لیتے رہیں، مرہم لگاتے رہیں، یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔''

اسے لگا شاید فاتح چھپا رہا ہے سو مزید زور نہیں دیا۔ وان فاتح ڈاکٹر کے پاس سے آنے کے بعد پہلے سے زیادہ الجھ گیا تھا۔

کلینک سے نکل کے وہ پارکنگ تک آیا تو رک گیا۔ ایک نظر سامنے سڑک پہ دوڑتی گاڑیوں کو دیکھا۔ پھر رک کے کچھ محسوس کرنا چاہا۔ کیا تھا جو طبیعت پہ ناگوار گزرتا تھا؟ یہ زن سے بھاگتی دوڑتی گاڑیاں؟ یہ شور؟ یہ اس لباس میں ملبوس آگے پیچھے جاتے مصروف سے لوگ؟ سب ویسا ہی تھا جیسے ہمیشہ لگا کرتا تھا۔ پھر سب اتنا اجنبی اجنبی کیوں لگ رہا تھا؟

سوال بہت سے تھے، مگر جواب کوئی نہیں تھا۔

عصرہ کی نیلامی کے پہلے روز تک وہ کافی حد تک نارمل ہو چکا تھا۔ بڑھتی عمر، دماغ پہ چوٹ، یا ڈرگ انجیکٹ کرنے کے باعث یقیناً وہ اس رات کے واقعات بھول چکا تھا۔ ایسا ہوتا ہے۔ ٹراما کے باعث انجری سے ذرا دیر پہلے کے واقعات بھول جایا کرتے ہیں۔ اس نے سوچوں کو اس واقعے سے ہٹا کے کام کی طرف مبذول کر دیا۔ البتہ رات میں آریانہ اکثر آ جاتی اور بیڈ کے کنارے کھڑے ہوئے کھوئے کھوئے سے انداز میں پوچھا کرتی۔

''ڈیڈ.... ذہن اتنا خالی خالی سا کیوں ہے؟ جیسے کچھ ہوا ہو۔ جیسے بہت کچھ ہوا ہو مگر یاد نہ آ رہا ہو۔''

''ایک رات میں کتنا کچھ ہو سکتا ہے آخر؟'' وہ سر جھٹک کے کہتا اور کروٹ لے لیتا۔ نرم بستر نامانوس کیوں لگتا تھا؟ اسے سخت بچھونے کی عادت بھی نہیں تھی نہ زمین پہ سونے کی۔ پھر اب....؟ لیکن وہ بار بار سر جھٹک دیتا۔

نیلامی کے پہلے روز پارٹی ابھی شروع ہی ہوئی تھی کہ اسے وہ نظر آ گئی۔ سرخ ساڑھی میں ملبوس سنہرے بالوں والی سوشلائیٹ جس کو اس روز عصرہ نے ملاکہ والے گھر بلوا کے اس کی چھٹی بدمزہ کر دی تھی۔ فاتح جانتا تھا کہ وہ اس کے گھر کے پیچھے ہے اس لئے اسے دوٹوک انداز میں منع کر کے وہ دوسرے مہمانوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ البتہ اسے یوں لگا جیسے وہ شل ہو گئی ہو۔ طبیعت کے برخلاف کوئی تیکھا جواب بھی نہیں دیا۔ خیر.... وہ آگے بڑھا تو ایڈم نظر آیا۔ ایک جھماکے سے اسے یاد آیا۔ ایڈم اس رات کچھ کہنے آیا تھا۔

فاتح نے رک کے اس سے سوال کیا مگر وہ ہمیشہ کی طرح کم اعتماد نظر آنے لگا۔ جیسے الجھ گیا ہو۔ شاید اسے اس رات کے واقعات کا پیچھا چھوڑ دینا چاہیے۔ ایک باڈی مین کے سامنے یہ بات نہیں کھلنی چاہیے کہ وہ ذہنی طور پہ اتنا کمزور بھی ہو سکتا ہے کہ لوٹے جانے کے اس واقعے کو بھول جائے۔ اونہوں۔ اسے اپنے استفسار پہ پچھتاوا ہوا سو بات ختم کر کے آگے بڑھ گیا۔

پارٹی کی رونق اپنے عروج پہ تھی۔ دو روزہ نیلامی میں آج آدھے آئٹمز رکھے گئے تھے۔ باقی آدھے اور زیادہ قیمتی چیزیں عصرہ نے کل کے لئے بچا رکھی تھیں۔ وہ کال سننے مہمانوں سے ذرا الگ ہوا تو سیکرٹری عثمان قریب آیا اور سرگوشی کی۔

''سر وہ پیسے میں اب ادا کر دوں ایڈم کو؟''

وان فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''کون سے پیسے؟''

''سر۔۔۔ جو آپ نے میرے اکاؤنٹ میں آن لائن بھجوائے تھے۔ اس رات جب آپ ملاکہ میں تھے اور آپ نے مجھے کال کر کے کہا تھا کہ سیل فون کھو گیا ہے تو میں آپ کے لئے نیا فون اور نئی سم لے لوں۔'' وہ وضاحت دیتے دیتے خود بھی حیران نظر آنے لگا۔

''ہاں ہاں.... رائٹ۔'' وہ سنبھل کے مسکرایا۔''تو تم وہ پیسے ایڈم کو کیا کہہ کے دوگے؟ کیوں دے رہے ہوا سے یہ؟''

''سر وہی جو آپ نے کہا تھا کہ اس کو معلوم ہے یہ کس چیز کے ہیں۔ آپ نے اصل میں صبح سے پہلے ٹرانسفر کا کہا تھا مگر مجھے اس کا اکاؤنٹ نمبر نہیں معلوم تھا اس لئے دیر ہو گئی۔''

''ہاں' ابھی دے دو پھر۔'' وہ سرسری انداز میں کہہ کے گلاس سے گھونٹ بھرتا مڑ گیا البتہ ذہن میں بہت سے سوالیہ نشان پھر سے ابھرنے لگے تھے۔

سوموار کو اس کی واپسی پہ عثمان نیا فون اور سم کارڈ لے کر جب آیا تو اس نے یہ بتایا تھا کہ یہ حکم آدھی رات کو اسے فون کر کے فاتح نے ہی دیا تھا' مگر عصرہ سامنے تھی تو عثمان نے اس بات کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

وہیں کھڑے کھڑے فاتح نے فون نکالا اور اپنا بینک اکاؤنٹ پورٹل کھولا۔ پھر آخری ٹرانزیکشن چیک کی۔ بیس ہزار رنگٹ۔ اس کی آنکھیں تعجب سے کھل گئیں۔ اس نے بیس ہزار کیوں بھیجے ایڈم کو؟ ٹرانزیکشن کرتے وقت یادداشت کے لئے جو نوٹ لکھا جاتا ہے' فاتح نے وہ نوٹ کھولا۔ وہاں ایک سطر لکھی تھی۔

For Chocolates

کیا یہ ٹرانزیکشن میں نے ہی کی ہے؟ مگر کسی اور کو میرا پاسورڈ نہیں معلوم۔ اور عثمان کو جب میں نے خود فون کر کے کہا ہے تو..اوہ خدایا۔ اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ سخت کبیدہ خاطر ہو رہا تھا۔

گلاس ایک قریبی میز پہ رکھا اور لوگوں کے درمیان سے گھاس پہ راستہ بناتا آگے بڑھنے لگا۔ شدید گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟

اندر لاؤنج میں بھی چند لوگ آ جا رہے تھے جو کسی ضرورت سے اندر آئے تھے یا ملازم تھے۔ وہ سب کو نظر انداز کرتا لاؤنج کے پرلے کونے پہ بنے پاؤڈر روم کی طرف بڑھا۔ (یہ ایسا کمرہ تھا جس میں بڑا سا آئینہ دیوار پہ لگا کے سامنے سنک بنے تھے۔ یہ صرف مہمانوں کے ہاتھ دھونے کے لئے تھا۔ باتھ روم کے طور پہ استعمال کرنے کے لیے نہیں۔)

دروازے کا ناب گھمایا اور اسے دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر تیز زرد بتیاں جلی تھیں۔ دیوار گیر آئینے کے سامنے ماربل کا بڑا سا سلیب تھا جس میں فاصلے پہ دو سنک بنے تھے۔

ایک سلیب پہ ہتھیلیاں جمائے وہ جھکی کھڑی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ سرخ ساڑھی اور سنہری بالوں والی تالیہ۔

''سوری۔ میں باہر جا رہا ہوں۔'' وہ واپس ہونے لگا تو تالیہ نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔ آئینے میں اپنے عکس کے عقب میں چوکھٹ پہ ڈور ناب پکڑے فاتح کو دیکھا۔ اور فاتح نے بھی آئینے میں اس کا چہرہ دیکھا تو ٹھٹکا۔

اس کے گال آنسوؤں سے بھیگے تھے اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔ جیسے جسم میں خون کا قطرہ بھی نہ رہا ہو۔ وہ نڈھال سی لگ رہی تھی۔ شاید

کافی دیر سے رو رہی تھی۔ کاجل بہہ گیا تھا۔ اسے عکس میں دیکھ کے بالکل ٹھہر گئی۔ فاتح نے ابرو تعجب سے اکٹھے کیے۔

''تم ٹھیک ہو' تاشہ؟'' نرمی سا پوچھا۔

تالیہ نے ٹشو رول سے لمبا سا ٹشو کھینچا' اور اس کے قریب آئی۔ فاتح نے ڈور ناب چھوڑ کے راستہ دیا۔ تالیہ بے دردی سے آنکھیں رگڑیں اور ایک دکھ بھری نظر اس پہ ڈالی۔

''میرا نام... تالیہ ہے۔ تالیہ بنتِ مراد۔'' تکلیف سے چبا چبا کے بولی۔

''ہاں' واٹ ایور' تاشہ۔ تم آرام سے منہ دھو لو۔ میں اپنے باتھ روم کی طرف جا رہا ہوں۔'' وہ پیچھے ہٹنے لگا تو وہ گلوگیر آواز میں چیخ کے بولی۔

''آپ یہیں رہیں۔ آپ اپنی صحیح جگہ پہ کھڑے ہیں۔ میں ہی غلط جگہ پہ کھڑی تھی۔ مجھے جانا چاہیے۔ آپ کو آپ کا گھر اور یہ زندگی مبارک ہو۔''

دکھ اور تنفر بھری نظروں سے اسے دیکھتی وہ پیر پٹختی آگے بڑھ گئی تو فاتح نے اچنبھے سے اسے جاتے دیکھا۔

''ہاؤ روڈ!'' پھر سر جھٹک کے آگے چل دیا۔

ایڈم لان کے دہانے پہ کھڑا عثمان سے بات کر رہا تھا جب وہ اندر سے آتی دکھائی دی۔ عثمان نے اسے ایک پھولا ہوا لفافہ تھمایا اور بے زاری سے چند جملے کہہ کے پلٹ گیا۔ تالیہ قریب آئی تو نڈھال لگتی تھی۔

''عجیب بات ہے۔ وان فاتح نے یہ پیسے مجھے کیوں بھجوائے ہیں؟'' وہ حیران سا اس سے پوچھنے لگا۔ ''میں نے پوچھا یہ کب بھیجے ہیں انہوں نے تو وہ بولا کہ اتوار کی رات کو کہا تھا' یعنی جب ہم واپس آئے تھے۔ یعنی ان کی یادداشت جانے سے پہلے انہوں نے....''

''ایڈم ....پلیز ....مجھے گھر چھوڑ آؤ۔'' وہ اس کو نہیں سن رہی تھی۔ ایڈم نے بے اختیار اسے دیکھا۔ اس کا میک اپ منہ دھونے کے باعث ہلکا ہو گیا تھا۔ کاجل کچھ بہہ گیا تھا۔ اور آنکھوں کے کٹورے بار بار پانی سے بھر رہے تھے۔

''چے تالیہ....خود کو سنبھالیں۔'' اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''مجھے اس وقت کسی چیز کا ہوش نہیں ہے۔ بس تم کار اسٹارٹ کرو۔'' اس نے چابی اس کی طرف بڑھائی۔ ''میں عصرہ کو الوداع کہہ دوں۔''

ایڈم کو وہیں چھوڑ کے وہ عصرہ کی طرف جانے لگی۔ وہ لان کے دوسرے دہانے پہ کھڑی مہمانوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ چند گز کا فاصلہ بھی اس کے لئے دوبھر ہو گیا۔ قدم بھاری بھاری سے ہونے لگے۔ وہ بدقت چلتی قریب آئی۔ جسم اتنا نڈھال تھا کہ لگتا تھا ابھی گر پڑے گی۔

''عصرہ.....'' اس کے پکارنے پہ مسکراتی ہوئی عصرہ مڑی تو اس کی شکل دیکھ کے مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''تالیہ تم ٹھیک ہو؟'' اسے تشویش ہوئی۔

''نہیں۔میری طبیعت اچانک سے خراب ہوگئی ہے۔ مجھے جانا ہوگا۔ بہت معذرت۔'' وہ بدقت اپنے وجود کو مجتمع رکھے بول رہی تھی۔

''اوہ....ابھی تو تمہارے بنائے میرے پورٹریٹ کی نیلامی بھی ہونا تھی۔''

''میں نہیں رک سکتی۔پلیز۔''

''اٹس اوکے۔کل آ جانا۔ویسے بھی گھائل غزال تو کل ہی لگے گی۔''

مگراس کی بلا سے اب گھائل غزال اور عصرہ کے ساتھ جو بھی ہو۔اسے اب کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔بس ایک دل تھا جو رک رک کے دھڑک رہا تھا۔سارے مسئلے اس دل کے ہی تو تھے۔

راستے میں ایڈم خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا اور وہ چپ چاپ بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔آنسو بنا آواز کے بہہ رہے تھے۔ایڈم بار بار ونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کے اسے دیکھتا' مگر کچھ کہہ نہ پاتا۔پھر اس نے کوشش کی۔

''مجھے نہیں معلوم ان کا زیادہ بڑا جرم کیا ہے۔'' اسٹیرنگ وہیل گھماتے ہوئے وہ کہنے لگا۔'' وہ پانی پی لینا' ہمیں بے خبر رکھنا یا آپ کو آزاد نہ کرنا۔پتہ نہیں وہ یہ سب کیوں کر رہے ہیں لیکن اگر وہ ہمیں اس طرح اپنی زندگی سے نکالنا چاہتے ہیں تو نکالنے دیجئے۔دکھ مجھے بھی ہے' اور دماغ شل ہے لیکن میں نے کبھی ان سے لمبی امیدیں نہیں باندھی تھیں۔اس لئے اب ہمیں بھی اپنی عام زندگیوں میں واپس چلے جانا چاہیے۔''

''ایڈم گاڑی روکو۔'' وہ ایک دم بلند آواز سے رونے لگی تو ایڈم نے جلدی سے کار آہستہ کی پھر اسے سڑک کے کنارے کھڑا کیا۔وہ مصروف شاہراہ تھی اور کنارے پہ فٹ پاتھ بنے تھے جن کے ساتھ کھجور کے درخت قطار میں لگے تھے۔وہ درخت کے سائے تلے رک گئے تھے اور شاخوں کے جھروکوں سے ڈوبتا سورج دکھائی دے رہا تھا۔

''وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟'' وہ بچوں کی طرح رونے لگی۔''وہ مجھے یوں اکیلا کیسے کر سکتے ہیں؟ وہ مجھے پہچان کیوں نہیں رہے؟ وہ مجھ سے پہلے کی طرح بات کیوں نہیں کر رہے۔''

''بے تالیہ....ان کو کچھ یاد نہیں ہے۔''

''مگر میں نے ان کو خود بتایا تھا۔جنگل میں ساری کہانی سنائی تھی ان کو۔اور تم نے ان کو خزانے کا بتایا تھا' جب تم ان کو میرے پاس سن باؤ کے گھر لائے تھے۔مجھے پکڑنے کے لئے۔پھر ان کو کیوں نہیں یاد؟'' وہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''وہ سب چابی جوڑنے کے بعد ہوا تھا۔جب میں کار میں ان کے ساتھ بیٹھا تو بات شروع کرنے سے قبل میں نے ان کو چابی دے دی تھی جس کو انہوں نے فوراً جوڑ دیا تھا۔آپ کا خزانے کی تلاش میں آنا' اور ہمارا دروازہ پار کرنا' یہ سب بعد میں ہوا تھا۔''

''میں نے ان کو سب بتایا تھا جنگل میں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔'' اپنے بارے میں' حالم کے

بارے میں اشعر کی گھائل غزال سے متعلق سازش عصرہ کا فائل چرانا سب بتایا تھا۔"

"مگر ان کو یہ سب نہیں یاد۔ ان کی یادداشت میں آپ صرف ایک بگڑی امیر زادی ہیں جس نے ان کی فائل چرائی تھی۔"

"اور ان کے احساسات کا کیا؟ کیا یادداشت جانے سے وہ بھی ختم ہو گئے؟" وہ بےیقینی بھری گیلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ' چے تالیہ۔ مگر احساسات تو یادوں سے مشروط ہوتے ہیں۔ آپ کو بھی تو مراد راجہ سے کبھی وہ انسیت محسوس نہیں ہوئی جو وقت کا سفر کرنے سے قبل چھوٹی تالیہ کو ہوتی تھی۔"

"نہیں۔" اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور نفی میں گردن ہلائی۔ "یہ سب ان کا کوئی پلان ہے۔ وہ صرف اداکاری کر رہے ہیں۔ ان کو سب یاد ہے۔"

"وہ جھوٹ نہیں بولتے۔"

"نہیں۔ میں نہیں مانتی۔ زندگی مجھے اتنی بڑی سزا نہیں دے سکتی۔ قسمت میرے ساتھ اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتی۔"

"آپ denial میں ہیں۔" اس نے افسوس سے تالیہ کو دیکھا۔ وہ روتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میں نہیں مانتی۔ میں اتنی بری تو نہیں تھی کہ میرے ساتھ یہ سب ہوتا۔ میں ان کی بیوی ہوں۔ سنا تم نے۔ میں ان کی بیوی ہوں۔ وہ مجھے یوں پہچاننے سے انکاری نہیں ہو سکتے۔"

"چے تالیہ....."

"وہ صرف اداکاری کر رہے ہیں۔ وہ عصرہ سے ڈرتے ہیں۔ میں ان کو دیکھ لوں گی۔ میں سب کو دیکھ لوں گی۔ میں ان سے بات کروں گی۔" پھر اس نے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑیں۔ "ابھی لوگ تھے نا سامنے۔ کل میں ان سے اکیلے میں بات کروں گی۔ دیکھنا' وہ تب وضاحت کریں گے کہ ان کا رویہ ایسا کیوں تھا۔"

"شاک ملنے کے بعد پہلا فیز denial (نہ ماننے) کا ہوتا ہے۔" وہ گہری سانس لے کر کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

"پھر جب یقین آتا تو وہ صدمے میں بدلتا ہے۔ پھر یا تو وہ ملال بن کے ختم ہو جاتا ہے' یا غصے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔" اس نے کار سڑک پہ ڈال دی۔ تالیہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ اداس سا ایڈم کہہ رہا تھا۔

"غصے کے بعد وہ انتقام کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ آپ کو خود کو اس فیز سے نکالنا ہو گا تاکہ یہ ملال بن کے ختم ہو جائے۔ میری طرح جیسے میں ابھی صدمے میں ہوں اور اس صدمے کو غصہ نہیں بننا چاہیے۔"

"تمہیں یہ سب کیسے پتہ؟" وہ دکھی لہجے میں بولی تو ایڈم اداسی سے مسکرایا۔

"آپ کتابیں نہیں پڑھتیں کیا؟" اور ایکسیلیٹر پہ پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔

تالیہ کے آنسو ایک دفعہ پھر تیزی سے بہنے لگے۔ اس نے گردن موڑ لی اور بھاگتی ٹریفک کو دیکھنے لگی۔ اس دنیا کے لیے وہ واپس آئی تھی؟

اس زندگی کے لیے؟

وہ گھر آئی تو صد شکر آج داتن نہیں تھی۔ اس نے بس دروازہ بند کیا اور کشن لے کر وہیں لاؤنج میں صوفے پہ لیٹ گئی۔ کروٹ کے بل سمٹی سمٹی سی لیٹی وہ روئے گئی۔ زارو قطار۔ بنا آواز کے۔ دل کے سب سے گہرے خانے سے ابل ابل کے آتے آنسو اس کی آنکھوں سے گرتے گئے۔

کب رات گزری۔ کب صبح ہوئی۔ اسے علم نہیں ہوا۔ بس وہ گھنٹوں اسی پوزیشن میں لیٹی رہی۔

پھر کھڑکیوں سے روشنی اندر آنے لگی تو وہ آنکھیں پونچھتی اٹھی۔ سارے جسم میں درد ہو رہا تھا۔ مگر اسے صرف ایک بات یاد تھی۔

اسے وان فاتح سے ملنا تھا۔

چند منٹ بعد وہ تیار ہو کے سیڑھیاں اترتی دکھائی دی تو خلافِ معمول سادہ سی سفید اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس تھی اور سیاہ منی کوٹ پہن رکھا تھا سنہرے بال پونی میں باندھے' دھلا دھلایا چہرہ اور خالی آنکھیں.....وہ جیسے اندر تک بدل گئی تھی۔

پورچ ابھی عبور کیا ہی تھا کہ گیٹ پہ گھنٹی بجی۔ وہ قریب آئی تو دیکھا' سامنے کوریئر سروس کا رائیڈر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹوکری تھی جسے اس نے ادب سے بڑھایا اور ایک کاغذ سامنے کیا۔

''یہ آپ کے لئے آیا ہے۔''

تالیہ نے چپ چاپ دستخط کیے اور ٹوکری تھامی۔ وہ ہیلمٹ پہنتا' واپس بائیک پہ بیٹھ گیا۔

''آج صبح مجھے وان فاتح کی دوسری ای میل موصول ہوئی ہے اور مجھے ان پیسوں کا مقصد انہوں نے سمجھا دیا ہے۔'' ٹوکری کے اندر کھے کارڈ پہ لکھا تھا۔'' وہ چاہتے ہیں کہ میں ہر ہفتے آپ کو یہ بھیجا کروں۔ میں نہیں جانتا وہ ایسے کیوں کر رہے ہیں' مگر وجہ جو بھی ہو.....ہیپی برتھ ڈے۔''

اس نے ٹوکری میں جھانکا۔ اندر تازہ رسیلے کوکو پھل رکھے تھے۔ اور ان کے درمیان کہیں کہیں چاکلیٹ بارز پڑے تھے۔

(وہ اداکاری کر رہے ہیں۔ وہ عصرہ سے ڈرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے۔) وہ کار کی طرف بڑھتے ہوئے بدگمانی سے سوچ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کے ایل پہ کب سے بادل برس رہے تھے۔ وہ درمیانے طبقے کا علاقہ بارش سے بھیگ بھیگ چکا تھا۔ سڑک نشیب میں گرتی دکھائی دیتی تھی اور اطراف میں گھروں کی قطاریں تھیں۔ اس گیلی سڑک پہ ایڈم بن محمد آتا دکھائی دے رہا تھا۔ چیک والی میرون شرٹ سیاہ پینٹ پہ پہنے' وہ موبائل پہ چہرہ جھکائے ٹائپ کرتا چل رہا تھا۔

کیلکولیٹر پہ وہ حساب کر رہا تھا کہ جتنے پیسے وان فاتح نے دیے تھے ان سے اگر وہ ہر ہفتے کوکو پھل لے کر چے تالیہ کو دے تو وہ کتنے عرصے میں ختم ہوں گے؟

قریباً چار ماہ میں۔اور اس کے بعد؟اس نے گہری سانس لی اور موبائل اسکرین پہ وہ ای میل کھولی جو آج علی الصبح اسے موصول ہوئی تھی ۔وان فاتح نے وہ چار روز قبل بھیجی تھی مگر شیڈیول کر دینے کے باعث وہ آج اس تک پہنچی تھی۔

''ایڈم....میرا اسیکرٹری عثمان اب تک ایک خطیر رقم تمہارے حوالے کر چکا ہوگا۔میں چاہتا ہوں کہ تم اس رقم سے ہر ہفتے تالیہ کو چاکلیٹس اور کوکو پھل بھجوایا کرو۔وہ جہاں بھی ہو'اس کو یہ ہر ہفتے ملنا چاہیے۔بیس تاریخ کو اس کی سالگرہ ہے...میں چاہوں گا کہ تم بیس تاریخ سے اس کام کو شروع کرو اور جب تک یہ پیسے تمہارے پاس ہوں'تم یہ کام کرتے رہو۔

فقط،

تمہارا وقت کا ساتھی۔''

وہ ای میل صبح سے کئی دفعہ پڑھ چکا تھا۔تالیہ کو پھل بھجوانے کے بعد بھی وہ اسے بار بار کھولتا تھا۔انہوں نے یہ کیوں نہیں لکھا کہ وہ اسے معلق کیوں کر گئے ہیں؟یہ کیوں نہیں بتایا کہ اسے کوکو پھل بھیج کے وہ بار بار اسے اپنا آپ کیوں یاد دلانا چاہتے ہیں؟ایسے تو وہ کبھی آگے نہیں بڑھ پائے گی۔نئی زندگی نہیں شروع کر پائے گی۔اوہ وان فاتح۔آپ نے ایسا کیوں کیا؟

اس نے موبائل جیب میں ڈالا اور گیلی سڑک پہ تیز قدم بڑھانے لگا۔گھروں کی قطار کے آگے ننھے ننھے باغیچے بنے تھے۔بارش نے ان سب کو بھی دھو کے نکھار ڈالا تھا۔ایڈم سرسری نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیتا'جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا جا رہا تھا جب وہ رکا۔

اس کے گھر سے دو گھر چھوڑ کے ایک گھر کے باہر پتھریلی چوکی پہ ایک نوعمر بچی بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ہاتھ میں قلم بھی تھا جس سے وہ بار بار کچھ انڈر لائن کرتی۔بارہ تیرہ سالہ بچی نے ابھی تک اسکول یونیفارم پہن رکھا تھا اور سر کتاب پہ جھکا تھا۔

کتاب کا سرورق دکھائی دے رہا تھا'اس لئے اس کے قدم رکے۔پھر دھیرے دھیرے چلتا وہ اس کے قریب آیا۔

''لیزا!''نرمی سے ہمسائیوں کی بچی کو پکارا تو اس نے سر اٹھایا۔

''ایڈم آبنگ....''پھر بھنویں بھنچیں۔''آپ مختلف لگ رہے ہیں۔یہ بالوں کو کیا کیا؟''

''تم اسے چھوڑو۔یہ بتاؤ'کیا پڑھ رہی ہو؟''دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''یہ!''لڑکی نے کتاب اٹھا کے دکھائی۔بھوری جلد پہ سنہری رنگ سے واضح لکھا تھا۔بنگا راملایو (ملایا کا نرگسی پھول) از آدم بن محمد۔

''یہ ایک تاریخی داستان ہے جو ہمارے کورس میں شامل ہے۔''

''اچھا۔''وہ اداسی سے مسکرایا۔''کیسی کتاب ہے یہ؟''

''ہونہہ۔خواہ مخواہ میں ہی لکھی مورخ نے۔''وہ منہ بنا کے بولی تو ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''پتہ نہیں یہ کیوں اتنی موٹی تاریخی کتابیں لکھی جاتی ہیں؟کون سا سلطان کس سن میں مرا'کون سی جنگ کس تاریخ کو ہوئی۔ایک دم بے کار۔بھلا پوچھو'جب بھی ہوئی ہو جنگ'اس کے بارے میں علم ہونے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟اوپر سے اتنا مشکل ٹیسٹ آتا ہے اس سے

۔دل کرتا ہے اس مورخ کو بھرے چوک میں الٹا لٹکا کے....''

''بس تم ساری زندگی نکمی' کام چور اور جاہل رہنا۔'' وہ سرخ پڑتے کانوں کے ساتھ چمک کے بولا۔''ہمسائیوں کے گھروں سے مرغیوں کے انڈے اور محلے کی دکان سے چاکلیٹس چرا چرا کے کھاتی رہنا۔تمہیں کتابوں کی اہمیت پتہ ہوتی تو یوں مرمر کے پاس نہ ہوتیں۔ ہونہہ۔یہ لٹکائیں گی مورخ کو!''

بچی نے جواباً زور سے ''ہونہہ' کر کے سر جھٹکا اور چہرے کے آگے کتاب کر لی۔ایڈم نے پیر پٹخا' زیادہ بلند آواز میں ''ہونہہ'' کیا اور برے برے منہ بناتا آگے بڑھ گیا۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو بادل چھٹنے لگے تھے اور دھوپ نکل رہی تھی۔سفید بلی گھاس پہ انگڑائیاں لیتی ستانے میں مصروف تھی۔ڈربے کے اندر بیٹھی مرغی چوکنی سی باہر جھانکتی بلی کو دیکھ رہی تھی۔اپنے بچے اس نے پروں کے قریب دبا رکھے تھے۔

ایڈم نے پنجرے پہ رکھے مرتبان کا ڈھکن کھولا' خوراک کی مٹھی بھری اور جھک کے جالی سے اندر پھینکی۔چوزے چوں چوں کرتے فوراً سے دانوں کی طرف لپکے۔

''کیا صبح ہی صبح جاب ڈھونڈنے نکلے تھے؟'' ماں اس کے عقب میں کب آ کھڑی ہوئی اسے علم ہی نہ ہوا۔بس مسکراتے ہوئے چوزوں کو دیکھتا رہا۔

''ایڈم ....نوکری ڈھونڈ رہے ہو نا؟'' ابو کے چہرے پہ تشویش تھی۔وہ جھاڑو ہاتھ میں لئے' آستینیں اوپر چڑھائے' کام کے غالباً درمیان سے اٹھ کے آئی تھی۔

''نوکری کرنے سے کیا ہو گا' ابو؟'' اس کی نظریں چوزوں پہ جمی تھیں جو پھدک پھدک کے دانے چگ رہے تھے۔

''پھر وہی مایوسی کی باتیں۔''

''غلط۔مایوسی کی بات نہیں کر رہا۔سوال پوچھ رہا ہوں۔نوکری کرنے سے گھر میں 'دانہ' آئے گا نا؟'' وہ اس کی طرف گھوما تو چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

''ہاں بیٹا' تم پیسے کمانے لگو گے تو شادی کر سکو گے' پھر اپنے بچے پال سکو گے' خوشحال رہو گے۔''

''یعنی نوکری صرف کمانے اور بچے پالنے کے لئے کی جاتی ہے۔مگر ماں....وہ تو جانور ہوتے ہیں جو صرف کھانے اور بچے پیدا کرنے کے لئے زندہ رہتے ہیں۔''

''وہ الگ بات ہے' ایڈم۔'' ابو نے سمجھانا چاہا مگر پنجرے کے سامنے کھڑا ایڈم اس کی نہیں سن رہا تھا۔

''میں سیکیورٹی گارڈ کی نوکری ڈھونڈ رہا ہوں ماں۔میں نوکری ضرور کروں گا' پیسے بھی کماؤں گا اور کیا پتہ کوئی بڑا خزانہ بھی میرے ہاتھ لگ جائے' لیکن' ماں.....کیا انسان کی زندگی میں کوئی بڑا مقصد نہیں ہونا چاہیے جو اس کو جانوروں اور پرندوں پہ فوقیت عطا کرے؟ کوئی تو

فرق ہم میں ہونا چاہیے نا۔"

"ہاں ضرور۔تم بامقصد نیک کام بھی کرو زندگی میں۔لیکن نوکری الگ چیز ہے۔"

"نیک'بامقصد کام اور نوکری ایک ہی چیز کیوں نہیں بن سکتے ماں؟اس سوال کا جواب میرے پاس خود بھی نہیں ہے'مگر آج کل میں اکثر یہی بات سوچتا ہوں۔"پھر اس نے گہری سانس بھری اور ایک نظر پنجرے پہ ڈالی۔چوزے دانہ چگ چکے تھے اور اب مٹی میں آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ان کو مزید دانوں کی تلاش تھی۔ننھے ننھے پیٹ تھے مگر بھوک مٹتی ہی نہ تھی۔ان کی ساری دوڑ دھوپ صرف بھوک مٹانے کے لئے تھی۔

کیا ایڈم بن محمد ان ننھے پرندوں سے بھی گیا گزرا تھا؟وہ اداسی سے سوچ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آسمان خوب بارش برسا کے اب ہلکا ہو چکا تھا اور بادل چھٹ چکے تھے۔دھوپ نکل آئی تھی'اور ایسے میں پارلیمان کی عمارت فخر سے سر اٹھائے کھڑی تھی۔

پارلیمان ایک اونچے ٹاور اور ساتھ زمین پہ پھیلی عمارتوں پہ مشتمل تھی۔زمین پہ لیٹی عمارت میں (پارلیمان اور سینٹ) کے ایوان تھے اور اونچے ٹاور میں پارلیمانی ممبرز کے آفسز تھے۔

ٹاور کے اندر قطار میں لفٹس لگی تھیں۔ایک لفٹ کے دروازے کھلے تو اندر سے وان فاتح باہر نکلا۔سامنے طویل کاریڈور تھا جس میں بتیاں جلی تھیں اور چند افراد آ جا رہے تھے۔فاتح موبائل کوٹ کی جیب میں ڈالتا عثمان سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے اس نئے legislation کا ڈرافٹ اپنی میز پہ چاہیے۔"

"سر وہ تو میں نے آپ کو ہفتے والے روز ہی دے دیا تھا۔"

"ہاں آف کورس!"فاتح نے گہری سانس لی اور پیشانی چھوئی'پھر تیز قدم اٹھاتے عثمان کی طرف جھک کے کہا۔"مگر درمیان میں اتوار کا دن آ گیا جو میں نے ملاکہ میں گزارا۔کبھی ایسا ہوا تمہارے ساتھ عثمان کہ تم صرف ایک رات کے لئے سوؤ اور جب جاگو تو لگے ایک زمانہ بیت چکا ہے۔"ساتھ ہی جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

"کبھی میں بہت تھکا ہوا ہوں تو ایسا لگتا ہے'سر۔"عثمان نے اٹک اٹک کے جواب دیا اور پھر فاتح کو دیکھا۔وہ گرے سوٹ اور ٹائی میں ملبوس تھا' گیلے بال دائیں طرف کو جما رکھے تھے اور آنکھ کے قریب زخم کنسیلر لگا کے چھپا رکھا تھا۔وہ اپنے ساتھ کھڑے ایک'کارکن'سے یوں دل کی بات پہلے نہیں کیا کرتا تھا۔یہ عادت کب سے پڑی اس کو؟

راہداری میں وہ مڑے تو لیڈر آف اپوزیشن کا آفس سامنے نظر آیا۔وان فاتح کے قدم سست ہوئے۔بند دروازے کے سامنے تالیہ

کھڑی تھی۔

"تم....ادھر؟" اسے حیرت ہوئی۔ پھر ایک برہم نظر عثمان پہ ڈالی۔

"اگر پرس میں پیسے ہوں تو لیڈر آف اپوزیشن کے آفس تک پہنچنے کی اجازت مل جاتی ہے' فاتح صاحب!" وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سادہ سفید اسکرٹ بلاؤز پہ سیاہ کوٹ.. پونی میں بندھے بال' دھلا دھلایا چہرہ....روئی روئی آنکھوں تلے سرخی....وان فاتح پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھتا قریب آیا۔

"خیریت؟ تم یہاں کیوں آئی ہو؟" اسے یہ ناگوار گزرا تھا۔

"ضروری بات کرنی تھی آپ سے۔ اگر آپ کو مناسب لگے تو میں اندر آ سکتی ہوں؟ نہ بھی لگے تو میں اندر آنا چاہوں گی۔" وہ ہٹ دھرم لگ رہی تھی۔ آج آر یا پار ہونا تھا۔

فاتح نے ضبط سے پہلے عثمان کو جانے کا اشارہ کیا اور پھر تالیہ کو پیچھے آنے کا کہا۔ اندر آتے ہی وہ سیدھا اپنی کرسی کی طرف گیا۔

"بیٹھو' تاشہ۔ اور بتاؤ کیا بات ہے۔" ہاتھ جھلا کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کمرے میں وہ دونوں تنہا تھے۔ کوئی ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔ وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھتی قریب آئی۔ کرسی کھینچی۔ اس پہ بیٹھی۔ مگر پلک تک نہ جھپکی۔ بس اسے دیکھے گئی۔

"تاشہ جو بھی کہنا ہے تمہیں' بس پانچ منٹ میں کہو اور مجھے کام کرنے دو۔ اس سے زیادہ مروت کا مظاہرہ میں نہیں کر سکتا۔" وہ ہموار لہجے میں بولا۔ سپاٹ آنکھیں تالیہ پہ جمی تھیں۔ کوئی شناسائی...کوئی بیتے زمانوں کا عکس۔۔۔ان آنکھوں میں کچھ بھی نہ تھا۔

"آپ جانتے ہیں میں کیا کہنے آئی ہوں۔" اس کی آواز بلند ہوگئی۔ گلا رندھنے لگا۔

"میں وہ گھر تمہیں نہیں بیچنا چاہتا۔ وہ بات ختم ہو چکی ہے۔ مزید کوئی بات کرنی ہے تو بتاؤ۔" وہ ناراض نہیں لگ رہا تھا' بس بے زار تھا۔ یہ بے گانگی' یہ بے نیازی.....

تالیہ کا دل ہر دھڑکن کے ساتھ ڈوبنے لگا۔

وہ اداکاری نہیں کر رہا تھا۔

وہ واقعی سب فراموش کر چکا تھا۔

وہ اس کے لئے صرف ایک سطحی' بگڑی ہوئی امیر زادی تھی جو بار بار اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ یا اللہ...اگر اسے واقعی کچھ یاد نہیں تو وہ اس کے بارے میں اس وقت کیا سوچ رہا ہوگا؟

حقیقت کی روشنی ذہن کی کھڑکیوں سے اندر گئی تو اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اس نے تھوک نگلا اور سارے آنسو پی گئی۔ پھر ذرا سنبھل کے بیٹھی۔

''میں صرف ایک وضاحت دینے آئی تھی۔آپ نے....'' وہ سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔نیم اندھیر آفس ایک دم ٹھنڈا لگنے لگا تھا۔

''آپ نے مجھ پہ الزام لگایا تھا کہ وہ فائل میں نے چرائی تھی۔اشعر صاحب کے کہنے پہ۔آپ اپوزیشن لیڈر ہیں۔حکومتی اراکین پہ الزام لگاتے ہیں تو ثبوت بھی دیتے ہیں۔مجھ پہ الزام لگانے کا ثبوت نہیں دیا مجھے آپ نے۔''

''تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ میں نے ثبوت پولیس کو نہیں دیے۔خیر۔فائل میں واپس لے چکا ہوں۔اس لئے اس ٹاپک کو بند کر دو تو اچھا ہوگا۔''

''پوچھ سکتی ہوں فائل واپس کیسے لی آپ نے؟ سچے اور ایماندار لیڈر ہیں آپ' اپنی ووٹر کے سوال کا جواب دیانتداری سے دینا چاہیے آپ کو۔''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے سوال کرتی میز پہ دونوں مٹھیاں رکھے ہوئے تھی۔سرد شیشے سے ٹھنڈک سی نکلتی اس کے سارے جسم میں سرایت کر رہی تھی۔

''اچھا تو تم نے مجھے ووٹ دیا تھا۔'' وہ ٹائی کو ذرا ڈھیلا کرتا کرسی پہ پیچھے ہو کے بیٹھا۔

''میرا سوال وہیں موجود ہے' فاتح صاحب۔اگر آپ نے سچ بولا تھا کہ فائل واقعی چوری ہوئی ہے تو اتنی جلدی واپس کیسے آگئی؟'' اس نے ٹھنڈے شیشے سے ہاتھ ہٹا کے گود میں رکھ لئے۔نظریں وان فاتح کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''میں نے ایک انویسٹی گیٹر ہائر کیا تھا۔خوش؟'' ساتھ پہ ابرو اچکائے۔وہی ازلی بے نیازی۔وہ واقعی بھول چکا تھا۔

تالیہ نے بدقت خود کو سنبھالا۔دل زخم زخم ہو رہا تھا۔

''میں نے آپ کی فائل نہیں چرائی تھی۔کل بھی کہا تھا اور آج بھی کہوں گی۔لیکن ٹھیک ہے۔اس ٹاپک کو بند کر دیتے ہیں۔آپ مجھے گھر نہ بیچنا چاہیں' آپ کی مرضی۔بس میرے ایک آخری سوال کا جواب دیانتداری سے دے دیں۔''

پرس اٹھاتے ہوئے وہ کھڑی ہوئی تو وہ ''عادتاً'' اٹھ کھڑا ہوا۔اٹھتے ہی اسے احساس ہوا کہ اسے نہیں اٹھنا چاہیے تھا' پھر کیوں؟

وہ ہلکا سا مسکرائی۔وہ اس عادت کو پہچانتی تھی۔یعنی اس کی صرف narrative memory کھوئی تھی۔عادات اور سیکھی ہوئی چیزیں اس کے وجود سے الگ نہیں ہوئی تھیں۔

''آپ مجھے وہ گھر کیوں نہیں بیچنا چاہتے؟''

''کیونکہ وہ ایک تاریخی ورثہ ہے اور تم تاریخی چیزوں کو صرف پیسے کمانے کا ذریعہ سمجھتی ہو۔''

''اور کس لیے ہوتی ہے تاریخ؟''

''تاریخ ''سیکھنے'' کے لئے ہوتی ہے۔ عبرت کے لئے۔وہ گھر میں اس کو بیچوں گا جو اس کی قدر کرنا جانتا ہوگا۔اور تم صرف پینٹ کرنا جانتی ہو۔'' دونوں کے درمیان میز تھی اور وہ اس کے کناروں پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔فرش سے اٹھتی ٹھنڈک اس کے پیروں میں سرایت

کرتی اسے برف کر رہی تھی۔

''آپ پینٹرز کو کمتر سمجھتے ہیں؟'' اس کی ریڑھ کی ہڈی مارے سردی کے دکھنے لگی تھی۔

''تاشہ!'' وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کے جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''انیسویں صدی میں ایک امیر گھرانے کی لڑکی الزبتھ تھامسن پینٹ کیا کرتی تھی۔ تب عورتیں اگر پینٹرز بنتی تھیں تو وہ تمہاری طرح عام چیزیں بناتی تھیں۔ پھول' انسانی شکل' گلدان۔ سینری۔ مگر الزبتھ کی سوچ گہری تھی۔ وہ جنگی پینٹنگز بناتی تھی۔ اور ہاں' تب یہ جنگوں پہ بنی فلمیں نہیں بنتی تھیں نہ اس نے جنگیں دیکھی تھیں جو اس کو معلوم ہوتا کہ جنگیں کیسی ہوتی ہیں۔ جانتی ہو اس نے اپنی ایک شہرہ آفاق پینٹنگ بنانے کے لئے ایک کھیت میں بچوں کو دوڑایا' پھر بہت سے گھوڑے خریدے اور ملازموں کو فوجی وردیاں پہنا کے اس میں دوڑایا۔ پھر نقلی لڑائی کروائی۔ اس سے کھیت تباہ ہوا' دھول اٹھی' میدان کا رنگ بدلا۔ اور وہ ناز و نعم میں پلی لڑکی پینٹ کرتی گئی۔ مجھے صرف اس پینٹر عورت نے متاثر کیا تھا۔ وہ لوگوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے روشناس کروانے کے لیے پینٹ کرتی تھی۔ میں پینٹرز کو کمتر نہیں سمجھتا۔ مگر میں صرف ان پینٹرز سے متاثر ہوتا ہوں جو کسی بڑے مقصد کے لئے پینٹ کرتے ہیں۔ جیسے الزبتھ کرتی تھی۔''

یکدم ساری ٹھنڈک تالیہ کے جسم سے نکلتی گئی۔ اس کا چہرہ دہکنے لگا۔ تنفس تیز ہو گیا۔ وہ آگے بڑھی' ہتھیلیاں میز پہ رکھ کے اس کے انداز میں جھکی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آپ یہ بتانا بھول گئے فاتح صاحب کہ.... الزبتھ نے لارڈ بٹلر سے شادی کر لی تھی۔ اس کا تنگ ذہن جاگیردار نواب شوہر سمجھتا تھا کہ عورت کی اپنی سوچ نہیں ہو سکتی' وہ اپنی رائے نہیں رکھ سکتی اور اسے پینٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کبھی الزبتھ کے ٹیلنٹ اور شوق کی انتہا کو نہیں سمجھ سکا۔ اس نے اپنے نظریات الزبتھ پہ تھوپنے شروع کر دیے اور اس کا کیریئر آہستہ آہستہ ختم ہوتا گیا۔ شاید اس کا دل مر گیا تھا۔ آپ نہیں جانتے فاتح صاحب' ظالم اور بے حس آدمی سے شادی اونچے ارادوں والی لڑکی کو کیسے مار دیتی ہے۔''

پرس کا اسٹریپ پھسل کے نیچے آ گیا تھا۔ اس نے اسے کندھے پہ دوبارہ جمایا اور ایک شکوہ کناں نظر اس پہ ڈالتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

فاتح نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا اور کرسی سنبھالی۔ اسے بہت سے کام کرنے تھے۔ شکر کہ وہ مزید وقت ضائع کیے بغیر چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کے ایل کے قریب پتراجایا کا شہر تھا۔ کے ایل کی اکثر سرکاری عمارتیں اب پتراجایا منتقل ہو چکی تھیں اور وہ طاقت اور اثر و رسوخ کا منبع بن چکا تھا۔ بارش کے بعد آسمان صاف ہو چکا تھا مگر تھوڑی ہی دیر بعد دھوپ چلی گئی اور سارے شہر پہ ٹھنڈی سی چھایا چھا گئی۔ پتراجایا میں ایک بڑا سا پل تھا جس کے چاروں طرف اونچے ٹاورز بنے تھے۔ پل کے درمیان میں سڑک گزر رہی تھی اور دونوں اطراف میں سرکارپٹ سے مزین فٹ پاتھ بنے تھے جن کے اوپر لوگ پیدل بھی پل عبور کر رہے تھے۔

دونوں طرف کے سرخ فٹ پاتھ کو اونچے ریلنگ نے مقید کر رکھا تھا۔ نیچے دریا کی صورت بنی جھیل بہہ رہی تھی۔ وہاں سیاح جگہ جگہ کھڑے تصاویر کھنچواتے دکھائی دے رہے تھے۔

مگر وہ سیاحوں کی طرح کھڑی نہیں تھی۔ وہ ریلنگ سے ٹیک لگائے' سرخ کارپٹ پہ اکڑوں بیٹھی نیچے بہتی جھیل کو دیکھ رہی تھی۔ سیاہ کوٹ ساتھ زمین پہ پڑا تھا۔ اور ہوا سے پونی جھول رہی تھی۔ خالی خالی سیاہ آنکھیں دور پانیوں پہ جمی تھیں۔ پل کی پتھریلی سڑک کی طرف اس کی پشت تھی اور سڑک پہ دوڑتی ٹریفک کا شور اس کو محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

اس کے جیسے سارے احساسات برف ہو گئے تھے۔ اور جب برف پگھلی تو ہر شے بہہ گئی۔ وہ خالی ہاتھ' خالی دامن بیٹھی تھی۔

سیاہ بوٹ میں مقید دو قدم اس کے قریب آکے رکے۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ بس پانی کو دیکھتی' خود فراموشی کے عالم میں بولی۔

''میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ سب کھو گیا۔ میرا اس کے ساتھ گزارا اچھا وقت چوری ہو گیا۔ میرے سارے سچ جھوٹ بن گئے۔ وہ مجھے اب پہچانتا بھی نہیں ہے۔ کوئی ایسے کیسے اجنبی بن جاتا ہے' ذوالکفلی صاحب؟'' شکوہ کناں پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

وہ سیاہ پینٹ شرٹ میں ملبوس' آنکھوں پہ سیاہ چشمہ چڑھائے ہوئے تھا۔ بال جگہ جگہ سے سفید تھے اور چہرے پہ مسکراتے ہوئے جھریاں پڑ رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے' تالیہ؟ تم فون پہ اتنی ٹوٹی ہوئی کیوں لگ رہی تھیں؟'' وہ نرمی سے سوال کرتا اس کے سامنے سرخ قالین پہ بیٹھا' ایسے کہ ذوالکفلی کی پشت جھیل کی طرف اور چہرہ تالیہ کی جانب تھا۔

''میں زندگی میں پہلی دفعہ اتنی بری طرح ہاری ہوں۔ مجھے غلط آدمی سے محبت ہو گئی۔ وہ شادی شدہ تھا' اس کے دو بچے تھے' اسی لئے میں اس کا خواب نہیں دیکھتی تھی۔ مگر وہ ان دیکھا خواب سچا ہو گیا۔ وہ مجھے مل گیا' لیکن وہ چھوڑ دیتا تو اچھا تھا۔ کم از کم وہ میرا دوست تو رہتا....''

اس کی آنکھوں کے کٹورے پانیوں سے بھرنے لگے۔ ''مگر اس نے تو مجھے اپنی زندگی سے کاٹ کے پھینک دیا۔ وہ ایسا بے نیاز اور بے حس ہو گیا کہ اسے میری ساری اچھائیاں بھول گئیں۔ اسے میری ذہانت' میری کوشش سب بھول گیا۔ میں اس کے لئے صفر ہو گئی ہوں بلکہ شاید منفی کا کوئی ہندسہ!'' آنسو ٹپ ٹپ گالوں پہ گرنے لگے۔

''میں کیا کروں' ذوالکفلی صاحب' میں اتنی دکھی ہوں کہ میرا دل زندہ رہنے کو بھی نہیں چاہتا۔ میں نے ہر چیز ہار دی ہے۔ میرے پاس کچھ نہیں بچا۔''

ذوالکفلی نے سیاہ چشمہ اتارا اور اپنی جھریاں زدہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اس کا بھیگا چہرہ دیکھا۔

''کیا اسے تم سے محبت تھی؟''

''اپنائیت تھی' دوستی تھی' محبت کا علم نہیں۔ پھر اس کا ایک حادثہ ہو گیا۔ اس کی یادداشت کھو گئی۔ اب وہ مجھے نہیں پہچانتا۔ اس کا ذہن اس وقت تک رک گیا ہے۔ جب تک وہ مجھے نہیں جانتا تھا۔ اس کو یاد ہی نہیں کہ ہم نے ایک ساتھ کن بلندیوں کا سفر کیا تھا۔''

اس نے روتے ہوئے سر گھٹنوں پہ ٹکا کے آنکھیں بند کر دیں۔ گرم پانی گالوں پہ بہتا محسوس ہوا۔ سارا منظر سیاہ ہو گیا۔ پھر اس میں ذوالکفلی کی آواز گونجی۔

''کیا تم نے اس کے ساتھ زندگی کی کوئی بلندی دیکھی تھی؟''

''ہاں۔'' وہ روئے جا رہی تھی۔ ''ساری دنیا ختم ہو گئی تھی اور بس ہم رہ گئے تھے۔ جنگل کے ساتھی۔ محل کے ساتھی۔ قید خانے کے ساتھی۔ اور اب وہ اپنے محل میں واپس جا چکا ہے۔ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ۔ وہ اپنی بلندی پہ واپس جا چکا ہے اور میں پاتال میں پڑی ایک بھکارن کے سوا کچھ نہیں رہ گئی۔''

''تمہیں یہ تصویر یاد ہے۔'' آواز پہ اس نے گیلی پلکیں کھولیں اور سر اٹھایا تو اندھیرا چھٹا اور سامنے سرخ قالین پہ آلتی پالتی کیے بیٹھا ذوالکفلی نظر آیا۔ وہ موبائل اسکرین پہ اسے ایک تصویر دکھا رہا تھا۔ منظر دھندلا تھا۔ تالیہ نے پلکیں جھپکیں تو وہ واضح ہوا۔

''یہ تم نے بچپن میں بنائی تھی۔ تم اکثر اسی طرح کی تصاویر بناتی تھیں۔ پہاڑی پہ بنے اونچے محل' اور نیچے بہتا سمندر۔''

تالیہ نے اس پینٹنگ کو دیکھا تو آنسو پھر سے بہنے لگے۔ سرسبز پہاڑی۔ تعمیر شدہ بھوری لکڑی کا محل ....اور عقب میں بہتا نیلا سمندر۔ اسے بنداہارا کا محل یاد آیا۔

''تمہارے سارے محل ایک دوسرے سے مختلف ہوتے تھے۔ پہاڑی کبھی سرسبز ہوتی' کبھی بھوری بنجر۔ سمندر کبھی رات کے باعث سیاہ ہوتا' کبھی سورج میں نیلا سبز چمک رہا ہوتا۔ مگر جانتی ہو ان سب میں مشترک کیا ہوتا تھا؟''

''کیا؟'' اس نے چونک کے ذوالکفلی کو دیکھا۔ وہ مسکرایا تو اس کی آنکھوں کے گرد جھریاں گہری ہونے لگیں۔

''تم نے کبھی سڑک نہیں بنائی۔''

تالیہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔ ''سڑک؟''

''محل تک پہنچنے کے لئے پہاڑی پہ سڑک ہونا ضروری تھی' تالیہ۔ مگر تم کبھی سڑک نہیں بناتی تھیں۔''

اس نے بے یقینی سے تصویر کو دیکھا۔ اس پہ واقعی کوئی سڑک' کوئی راستہ نہیں بنا تھا جو پیدل چلنے والے کو اوپر لے جائے۔

''اور یہی زندگی ہے۔ بلندی پہ بنے محل تک پہنچنے کے لئے کوئی صاف سڑک موجود نہیں ہوتی' پتری تالیہ (شہزادی تالیہ)۔ دشوار گزار پہاڑی راستوں پہ سنبھل سنبھل کے چلنا ہوتا ہے۔ ذرا سا قدم پھسلا تو نیچے سمندر میں جا گرو گی۔''

تالیہ نے آہستہ سے ہتھیلی کی پشت سے گال صاف کیے۔ وہ بالکل سُن سی اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

''زندگی نے آسان سڑکوں کا وعدہ کر بھی نہیں رکھا' پتری! اگر تمہیں اس سے محبت ہے تو کسی دوسرے کا راستہ کاٹنے کی بجائے اپنا راستہ خود بنانا ہو گا۔ اس تک پہنچنے کا راستہ آسان نہیں ہو گا۔ بار بار گرو گی' زخمی ہو گی' اور شاید اس تک پہنچ بھی نہ سکو' لیکن کم از کم ایک دفعہ کوشش تو کرو۔''

اس کے آنسو رک چکے تھے اور وہ گم صم سی نظریں اسکرین پہ جمائے ہوئے تھی۔

''وہ مجھے اپنی زندگی سے نکال چکا ہے۔''

''اگر اس کو کسی حادثے نے تم سے الگ کیا ہے' اس کے دل کے گدلے پن نے نہیں' تو تم اس کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتی ہو؟''

''تو کیا کروں؟ کسی 'Low life' بے وقار' بے خود عورت کی طرح اس کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اس کے گرد منڈلاتی رہوں؟'' قدرے غصے سے بولی۔ ''یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

''اگر وہ محل پہ رہنے والوں میں سے ہے اور تم اس کے ساتھ تعلق کی بلندی تک جا چکی ہو' تو یہ اسی صورت ہوا ہوگا کہ تم بے وقار' بے خود عورت نہیں بنی ہوگی۔ اور بلندیوں پہ رہنے والوں کو بلند قد کے لوگ ہی بھاتے ہیں۔ کسی کے ساتھ رہنے کے لئے خود کو بے توقیر کرنا ضروری تو نہیں۔ اور تم اتنی ذہن ہو کہ مجھے یقین ہے' تم بہتر راستے نکال ہی لوگی۔ اگر نہیں نکال سکتیں تو میں نہیں مان سکتا کہ تم نے کبھی اس کے ساتھ کوئی بلندی دیکھی تھی!'' تالیہ نے چہرہ موڑ کے دور نظر آتی اونچی عمارتوں کو دیکھا۔

''دیکھی تھی۔ ہم ایک زمانہ ساتھ رہے تھے۔ پھر میرے باپ نے مجھ سے وہ بلندی چھین لی۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ سب مجھے واپس مل سکتا ہے؟''

''انسان دل سے کوشش کرے اور اس کی تکنیک درست ہو تو اسے سب مل سکتا ہے۔'' ذوالکفلی نے اسکرین بجھائی اور موبائل واپس جیب میں ڈالا۔

''میرا دل ٹوٹ گیا ہے' میرے جھوٹوں نے میرا پیچھا کر کے مجھے آن لیا ہے۔ مجھ میں اس دشوار گزار گھاٹی پہ چڑھنے کی ہمت نہیں ہے۔ میں تو بالکل ہار چکی ہوں۔''

''پتری تالیہ.... میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت بالکل مایوس ہو۔ تمہیں اپنا آپ ایک فیلیئر لگ رہا ہے لیکن اب بھی اگر تمہارے پاس دو چیزیں ہیں تو تم دوبارہ سے کھڑی ہو سکتی ہو۔''

اس نے چونک کے ذوالکفلی کو دیکھا۔ ''دو چیزیں؟''

''پہلی چیز.... تمہاری sanity قائم ہے۔ تم کتنی بھی ٹوٹی ہوئی کیوں نہ ہو' کم از کم تم جھیل میں کود نہیں رہیں' یا لباس چاک کر کے سر میں مٹی نہیں ڈال رہیں۔ ساری مایوسی ایک طرف' تم اب بھی اپنے حواسوں میں ہو۔ اس کا مطلب ہے تم پھر سے کھڑی ہو سکتی ہو....''

تالیہ نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ آنسو پھر سے گرنے لگے۔ ''ظاہر ہے میں جانتی ہوں کہ اگر اس سے مایوس ہو بھی جاؤں تو کہیں دور چلی جاؤں گی' خاموش اور اداس زندگی گزاروں گی۔ مگر حواس سلامت ہیں میرے۔ اپنا تماشہ نہیں بناؤں گی نہ خودکشی کروں گی۔'' پھر توقف سے بولی۔ ''اور دوسری چیز؟'' ساتھ ہی ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

''تمہیں اپنی غلطی معلوم ہے اور اس کو اب بھی درست کر سکتی ہو۔ تمہاری غلطی کیا تھی' تالیہ؟'' اس نے دہرایا۔

''میری کریڈیبلٹی نہیں ہے۔میری 'بات' بے وزن اور بے معنی ہے کیونکہ میں سچ نہیں بولتی تھی۔اگر میں نے خود کو سچا بنایا ہوتا تو میرا قول معتبر ہوتا اور میری ہر بات پہ وہ آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتا۔''

''دیکھا....یہ دونوں چیزیں تمہارے پاس ہیں۔تمہارے حواس برقرار ہیں اور تمہیں اپنی غلطی معلوم ہے۔''وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔اس کے عقب میں بہتی جھیل کے اوپر پرندوں کا ایک غول اڑ رہا تھا۔تالیہ کی نظریں ان کے پروں پہ جم گئیں۔

''کیا شدید پچھتاؤوں اور مایوسی سے نکلنے کے لئے بس یہی دو چیزیں چاہیے ہوتی ہیں؟حواس برقرار ہونا اور اپنی غلطی پہچان کے اسے درست کرنے کی کوشش کرنا؟''

''میرے نزدیک تالیہ....یہ دونوں کافی ہوتی ہیں۔''وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دہرا رہا تھا۔تالیہ نے دوبارہ سے آنکھیں رگڑیں۔

''تو اب میں کیا کروں؟کہاں سے شروع کروں؟''

''یہ میں تمہیں کیونکر بتا سکتا ہوں؟''وہ حیرت سے مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔وہ گردن اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔مسکراتے ہوئے ذوالکفلی کی آنکھیں مزید چھوٹی ہو گئی تھیں۔

''تم تالیہ مراد ہو'اور تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان بی ہوتا ہے۔''

''میرے پاس کبھی پلان بی نہیں ہوتا۔پلان سی'ڈی سب بناتی ہوں مگر بی کا خانہ خالی چھوڑتی ہوں۔سب مجھ پہ اعتبار کرتے ہیں۔سمجھتے ہیں کہ اگر ہر چیز ناکام ہو جائے تو بھی تالیہ کا پلان بی انہیں مصیبت سے نکال دے گا مگر ذوالکفلی صاحب..تالیہ کے پاس کوئی پلان بی نہیں ہوتا۔''

''اب ہو گا!''وہ پر یقین تھا۔

چند لمحے بعد ذوالکفلی سرخ فٹ پاتھ پہ دور جاتا دکھائی دے رہا تھا اور وہ اسی طرح وہاں اکڑوں بیٹھی جھیل کے اوپر اڑتے پرندوں کو دیکھ رہی تھی۔

بنا کسی بوجھ کے'وہ ہلکے اور آزاد پرندے'اپنے پر پھیلائے فضا کو چیر کے اوپر اڑتے جا رہے تھے۔

اوپر....بلندیوں کی طرف.....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سرخ مخروطی تکون سے مزین شیشوں سے ڈھکی عمارت پوری شان سے کے ایل کے کاروباری علاقے میں کھڑی تھی۔اندر آؤ تو نیچے ایک شاندار سا شاپنگ مال بنا تھا جہاں بے فکر لوگ راہداریوں میں ٹہلتے'شاپنگ بیگز اٹھائے'خریداری میں مصروف نظر آتے تھے۔مال کی چھت جہاں ختم ہوتی'اس سے اوپر والے فلورز مختلف کمپنیوں کے آفسز پہ مشتمل تھے۔ایک فلور باریسن نیشنل (سیاسی جماعت) کا ہیڈ

آفس تھا۔اس فلور کا ماحول یکسر مختلف نظر آتا تھا۔ یہاں ہر طرف چھتوں پہ سفید بتیاں جل رہی تھیں اور شیشے کی دیواروں سے بنے کیبن میں لوگ کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایک آفس میں اشعر محمود کنٹرول چیئر پہ بیٹھا لیپ ٹاپ پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔ تک سک سے تیار' گہرے نیلے سوٹ اور ٹائی میں ملبوس' بال جیل سے کھڑے کیے' وہ اس چھوٹے سے آفس سے مطابقت رکھتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ یہ آفس پارٹی عہدے کی وجہ سے اس کو اس عمارت میں ملا ہوا تھا جبکہ اس کا اصل آفس یہاں سے کچھ دور کاروباری مراکز پہ مبنی ایک اونچی عمارت میں تھا۔ وہ آفس شاہانہ اور پر تعیش تھا' اور اسی کے لاکر سے 'حالم' نے سن باؤ کے گھر کی فائل چرائی تھی۔ جبکہ یہ والا عام سا تھا۔

''سر!'' سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رملی کھنکھارا۔ اشعر نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کے اپنے ادھیڑ عمر سیکرٹری کو دیکھا۔

''میں نے بہت تلاش کیا ہے مگر میں یہ معمہ حل نہیں کر سکا کہ وہ فائل وان فاتح کے پاس واپس کیسے پہنچی۔''

اشعر نے ایک گہری نظر رملی پہ ڈالی۔ ''یہ معمہ تو میں بھی حل نہیں کر سکا' بہر حال تم اس کی فکر نہ کرو۔'' رملی کے اندر تک اترتی نظروں سے اسے گھورا۔ ''جو بھی چور ہے' چاہے وہ اپنا ہے' چاہے وہ دشمن ہے' میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔ فی الحال تم آج کی نیلامی کی فکر کرو۔''

''سر' ساری تیاری مکمل ہے۔'' رملی جوش سے بتانے لگا۔ ''آج گھائل غزال نیلامی کے لئے رکھی جائے گی۔ ہمارا آدمی جو کہ ایک قابل بزنس مین ہے' وہاں بولی لگائے گا۔ وہ بولی کو بڑھاتا جائے گا اور مہنگی ترین قیمت پہ گھائل غزال خرید لے گا۔ چونکہ رقم فوراً نہیں بلکہ دو دن میں ادا کرنی ہوتی ہے' اس لئے وہ سودا طے ہوتے ہی دو ماہر ایکسپرٹس کو بلائے گا اور سب کے سامنے وہ گھائل غزال پہ ٹیسٹ کرنا چاہیں گے۔ عصرہ بیگم منع کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گی اور ماہرین یہ راز فاش کریں گے کہ پینٹنگ جعلی ہے۔ یوں ہمارا بندہ پیسے دینے سے بچ جائے گا اور....''

''اور عصرہ اور فاتح کی ساکھ خاک میں مل جائے گی۔'' اشعر پیچھے ہو کے بیٹھا اور سگریٹ نکال کے لبوں میں دبائی۔ ''پچھلے دس سال میں عصرہ کے بیچے گئے ایک ایک آرٹ پیس کا آڈٹ اور تحقیق شروع ہو جائے گی۔ مقدموں کے انبار لگ جائیں گے اور ان دونوں کے پاس الیکشن کے بارے میں سوچنے کے لئے وقت نہیں ہوگا۔ لیکن....'' وہ لائٹر سے سگریٹ جلاتے ہوئے چونکا۔ جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

''وہ لڑکی....تالیہ مراد....وہ بھی یہی پینٹنگ خریدنا چاہتی تھی۔ تم اس امر کو یقینی بناؤ گے کہ پینٹنگ ہمارا بندہ ہی خریدے۔ کیونکہ وہ عصرہ کی دوستی اور مروت میں ٹیسٹ نہیں کروانے دے گی۔ اور سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔''

''سر' بے فکر رہیں۔ ہم بولی کو اتنا اوپر لے جائیں گے کہ وہ اس لڑکی کی پہنچ سے دور ہو جائے گی۔'' رملی پر اعتماد تھا۔ اشعر محمود کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ اس نے جلتے سگریٹ کا کش بھرا' اور پھر جھک کے سگریٹ کو ایش ٹرے تک لے گیا۔

''عصرہ اور فاتح اتنے بڑے اسکینڈل میں پھنس جائیں گے کہ ان کی صداقت اور امانت مشکوک ہو جائے گی۔ اور پھر....'' اس نے سگریٹ کو جھٹکا۔

راکھ شیشے کے پیالے میں جا گری۔

"Ashes Ashes, We all fall down!"

پیالے کے وسط میں راکھ کے ٹکڑے پڑے تھے۔ دہکتے انگاروں سے نکلنے والے ٹھنڈے بے جان ٹکڑے.... اشعر کی نظریں ان پہ جم گئی۔ سرمئی پن میں یادوں کی ملاوٹ گھلنے لگی....

وہ اس وسیع وعریض پرتعیش آفس میں میز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ چند برس پہلے کا اشعر۔ اس کے بال نسبتاً چھوٹے اور چہرا کم عمر لگتا تھا۔ سفید براق شرٹ پہ میرون ویسٹ پہنے وہ نک سک سے تیار لگتا تھا مگر آنکھیں قدرے اداس تھیں۔

کنٹرول چیئر پہ محمود صاحب براجمان تھے۔ ادھیڑ عمر پختہ چہرے اور برہم آنکھوں والے صاحب جن کی آنکھوں میں ناپسندیدگی تھی۔ ایک زمانے میں یہ ان کا آفس ہوتا تھا۔ اور بے بس سا اشعر سامنے کھڑا ہوتا تھا۔

"آفرین ہے اشعر۔ تم اپنا مت سوچنا۔ بس اپنے بہنوئی کی غلامی کرتے رہنا۔" وہ سخت خفا نظر آتے تھے۔

اشعر نے تذبذب سے کرسی کھینچی اور سامنے بیٹھا۔ "بابا...." آگے کو جھکے ہاتھ باہم پھنسائے اس نے سمجھانے والے انداز میں بات شروع کی۔ "فاتح آبنگ کے ساتھ کام کرنے سے مجھے بہت فائدہ ہوگا۔ میں تعلقات بنا رہا ہوں اپنا نام کما رہا ہوں ہم ان کی الیکشن مہم شروع کرنے جا رہے ہیں۔ میں نے بہت محنت کی ہے ان کے لئے۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔ کل کو وہ ممبر پارلیمنٹ بنیں گے اور پرسوں انہیں مزید اونچا عہدہ ملے گا تو میں بھی نفع میں رہوں گا۔ میں ان کے سیاسی تعلقات استعمال کر کے اپنے کاروبار کو فائدہ دوں گا۔ ان کو بھی معلوم ہے کہ میرا بھی اس میں فائدہ ہے اور وہ اس بات سے مطمئن ہیں۔"

"تو کیا تم ساری عمر اس کے غلام بن کے رہو گے؟" محمود صاحب تیوری چڑھائے پوچھ رہے تھے۔

"میں ان کا پولیٹیکل سیکرٹری ہوں بابا۔ اور میں یہی بننا چاہتا تھا۔"

"ایک سیکرٹری؟"

"نہیں سیکرٹری نہیں۔" وہ پیچھے کو ہوا اور گہری سانس لی۔ پھر اٹھی ہوئی گردن کے ساتھ بولا۔ "میں کنگ میکر ہوں۔ ان کا سلطان ساز!"

"آہ.... کنگ میکر۔" محمود صاحب نے برہمی سے ناک سے مکھی اڑائی۔ "اب کیا تم پہ اتنا برا وقت آ گیا ہے کہ تم ایک سیاستدان کے کنگ میکر بنو گے؟ جانتے ہو کنگ میکر کیا ہوتا ہے؟"

"جی میں جانتا ہوں اور مجھے یہ کام پسند ہے۔" وہ پرسکون تھا۔ مطمئن تھا۔

(کنگ میکر سیاست میں اس آدمی یا گروہ کو کہتے ہیں جس کا کسی سیاستدان پہ گہرا Influence ہوتا ہے۔ وہ اپنے عسکری مذہبی سماجی اور سیاسی تعلقات کے ذریعے سیاستدان کو تراشتا ہے اس کو اٹھاتا ہے اس کو کامیاب کرواتا ہے اور اس کو طاقت کے مقام پہ پہنچاتا ہے۔

اقتدار حاصل کرنے کے بعد بھی اسی کے مشورے سے وزرائے اعظم اور حکمران کام کرتے ہیں۔ کرسی پہ کوئی اور بیٹھا ہوتا ہے اور اس کی ڈوریاں پیچھے سے اس کا سلطان ساز کھینچ رہا ہوتا ہے۔ مگر اپنی ساری صلاحیتوں کے باوجود کنگ میکر خود کبھی سیاسی امیدوار کے طور پہ کھڑا نہیں ہوتا' نہ اس کو عوام جانتے یا پسند کرتے ہیں۔)

''میرے بیٹے' تم اگر کسی اور شخص کے دائیں ہاتھ بنتے تو میں معترض نہ ہوتا۔'' وہ بے بسی سے جھنجھلاتے ہوئے آگے جھکے اور سمجھانے لگے۔ ''مگر تم وان فاتح کو اقتدار دلوانا چاہتے ہو۔ وہ بے نیاز اور خودغرض شخص ہے۔ وہ تمہیں بھلا دے گا۔ تم اپنا ٹیلنٹ' اپنی صلاحیتیں اپنے لئے استعمال کرو۔''

''ہم یہ بات پہلے کر چکے ہیں' بابا۔'' وہ اداس ہوا۔

''مگر دوبارہ اس لئے کہہ رہا ہوں تاکہ تم اس بارے میں سوچو۔''

اشعر چپ ہو گیا۔

''میرا سارا پیسہ پھنسا ہوا ہے' بابا اور آپ کے پاس بھی ابھی اتنا پیسہ نہیں کہ میں فوراً الیکشن کی تیاری کر سکوں۔ آپ کاروباری آدمی ہیں اور آپ پہ بھی قرض چڑھے ہیں' بالفرض میں ایم پی کے الیکشن کے لئے کھڑا بھی ہو جاؤں تو پیسہ کہاں سے لاؤں گا؟'' وہ جیسے زچ ہوا۔

محمود صاحب نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''یعنی یہ خیال تمہارے ذہن سے گزرتا ہے۔'' ان کے تنے تاثرات ڈھیلے ہوتے گئے۔

''انسان ہوں' بابا۔ طاقت کی خواہش میرے اندر بھی ہے مگر پیسہ کہاں سے لاؤں؟'' وہ بے بس تھا۔ محمود صاحب خاموش ہو گئے۔ پھر چند لمحے کے لئے چھت کو تکنے لگ گئے۔

آفس میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ اشعر نے سر جھکا دیا۔ دل برا ہونے لگا۔ اسے ایسا سوچنا بھی نہیں چاہئے تھا۔

''تم میری شاپ بیچ دو۔''

اشعر کا منہ کھل گیا۔ ''وہ تو آپ کی ہے' بابا۔''

''ہاں مگر میرا سب کچھ تمہارا اور عصرہ کا ہی ہے۔ وہ شاپ میں تمہیں دے دیتا ہوں' تم اس کو بیچ دو۔ وہ تاریخی مقام پہ ہے اور اس کی بہت قیمت ہو گی۔ تم خود الیکشن لڑو اور اس پیسے کو استعمال کرو۔''

اشعر چپ ہو گیا۔ ''میں نے ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کیا' بابا۔''

''تو پھر جلدی فیصلہ کرو۔ تمہارے پاس زیادہ دن نہیں ہیں۔ اگر تم نے ایک ہفتے میں کاغذات نامزدگی داخل نہ کروائے تو تمہیں پانچ سال انتظار کرنا پڑے گا۔'' وہ اس کو سمجھا رہے تھے مگر اشعر متامل تھا.... آفس کی سادہ دیواریں راکھ کے رنگ کی تھیں.... ایش ٹرے میں ٹھنڈی راکھ پھر سے اسے واضح نظر آنے لگی تھی۔

اشعر محمود نے سر جھٹکا اور اوپر دیکھا تو بجھی جا چکا تھا۔ وہ اس چھوٹے سے سیاسی آفس میں تنہا بیٹھا تھا۔ ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں

پہ بکھر گئی۔اس نے سگریٹ کی تازہ بنی راکھ کو پھر سے ایش ٹرے پہ جھٹکا اور دہرایا۔

Ashes Ashes We all fall down!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حالم کے بنگلے پہ دوپہر پگھل رہی تھی۔ بادل چھٹ چکے تھے اور آسمان صاف تھا۔ ڈرائیوے پہ بھاری بھرکم داتن سامان کے شاپرز اٹھائے ہانپتی کانپتی چلتی جارہی تھی۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ شاپر اٹھائے اندر آئی تو لاؤنج کی ساری بتیاں جلی تھیں۔ دوپہر کے وقت اتنی روشنیاں؟ وہ حیران ہوتی لاؤنج عبور کر کے کچن تک آئی اور شاپر سلیب پہ رکھے۔ پھر ٹھٹک کے رکی۔ اطراف میں نگاہیں دوڑائیں۔

ہیل والی جوتیاں ادھر ادھر قالین پہ لڑھکی تھیں۔ جیولری' ٹاپس' میز پہ اتار پھینکے گئے تھے۔ صوفے کی حالت سے لگ رہا تھا وہ رات وہیں سوئی ہے۔ ساڑھی کی چم چم صوفے پہ بھی لگی تھی۔ غرض ہر چیز ابتر تھی۔

''تالیہ...تالیہ...'' داتن نے چہرہ اوپر کر کے آواز دی۔ جواب ندارد۔ پھر اس نے پریشانی سے فون نکالا اور اسے کال ملائی۔ کال فوراً کاٹ دی گئی تھی۔ تالیہ اس کی کال بھلا کب کاٹتی تھی؟ وہ ٹھیک تو تھی نا؟

لیانہ دوبارہ کال ملانے لگی مگر درمیان میں اس کے بیٹے عدنان کی کال آنے لگی۔ اس نے فون کان سے لگایا۔ ''ہاں بولو.....''

''ماں....کیا حال ہے؟'' وہ توقف سے بولا۔

''ذرا مصروف ہوں۔تم بتاؤ۔'' پھر اسے یاد آیا۔ ''پیسے پورے مل گئے تھے اس دن؟''

''ہاں ماں' لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اگر ساشا میڈم نے اتنے پیسے آرام سے دے دیے ہیں تو....'' وہ رک رک کے احتیاط سے کہہ رہا تھا۔''تو اگر تم ان کی تھوڑی سی منت کرلو تو کیا معلوم اتنی رقم مزید بھی دے دیں۔ دیکھو ماں' یہ کم پڑ جائیں گے میرے لئے اور....''

''عدنان' میں اس وقت شدید پریشان کھڑی ہوں۔ پلیز تم کچھ دیر کے لئے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' لیانہ چیخ کے بولی۔ ساتھ ہی لاؤنج کی حالت کو تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''''ساشا میری کال نہیں اٹھا رہی۔ پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔''

''کہاں ہونا ہے' ماں؟ امیر لوگوں کے اپنے مشغلے ہوتے ہیں۔''

''عدنان' تم بار بار بھول جاتے ہو کہ وہ مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز ہے' مگر تم نہیں سمجھو گے۔'' اس نے کوفت سے فون بند کیا۔ پھر بے چینی اور تشویش سے تالیہ کا نمبر ملانے لگی۔ اب کی بار فون آف ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوالالمپور کے اس علاقے میں سڑک کنارے ریستوران اور کافی شاپس کی بہتات تھی۔ دونوں اطراف میں بنی دکانوں کے سامنے

کرسیاں میزیں بچھا کے گاہکوں کو کھانا پیش کیا جا رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا اور لنچ بریک کے باعث طرح طرح کے لوگ اس فوڈ اسٹریٹ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

ایسے میں ایک سوپ پارلر کے سامنے وہ کھڑی تھی۔ سفید اسکرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے' سنہرے بالوں کو پونی میں جکڑے' اداس مسکراہٹ سے اس پارلر کو دیکھ رہی تھی۔ تنگو کامل کے گھر 'نوکرانی' والا کردار ادا کرنے سے قبل اس نے یہاں نوکری حاصل کی تھی کیونکہ تنگو کامل ادھر اکثر آیا کرتے تھے۔ تالیہ مراد کی ہر چیز پلان کا حصہ ہوتی تھی۔

''تالیہ!'' آواز نے اسے چونکایا۔ سڑک کی طرف سے بوڑھا شیف سبزیوں کی ٹوکری اٹھاتا چلا آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کے وہ خوشگوار حیرت میں گھر گیا۔

''تم کب آئیں؟ آؤ آؤ اندر آؤ۔ یہاں کہاں کھڑی ہو؟'' وہ جو نفی میں سر ہلانا چاہتی تھی' شیف کے اصرار پہ منع نہیں کر سکی۔ وہ اسے مہلت دینے پہ راضی نہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ریستوران کے کچن میں کرسی پہ بیٹھی تھی اور مختصر سا عملہ اس کے گرد جمع تھا۔ ویٹرس' ایک (ویٹر) 'شیف' سب اس کو حیرت' خوشی اور خفگی سے دیکھتے سوالوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔

''تم بنا بتائے چلی گئیں؟ پورے دو ہفتے بعد آ رہی ہو۔ بدلی بدلی لگ رہی ہو۔''

''تنگو کامل کی ملازمہ نور نے بتایا کہ تمہاری شادی ہوگئی ہے اور تم پاکستان چلی گئی ہو۔''

''واللہ تالیہ ہم تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ تم کیسی ہو؟'' بوڑھا شیف بہت اپنائیت سے کہہ رہا تھا۔ تالیہ نے اداس مسکراہٹ سے اس خالی کاؤنٹر سلیب کو دیکھا۔ کبھی وہ اس پہ چوکڑی مارے بیٹھی ہوتی تھی۔ ان کو ایمانداری کی تلقین کرتی تھی۔ گانے گاتی تھی۔ سوپ اور باتیں بناتی تھی۔

اور آج وہ کرسی میز پہ سنبھلے ہوئے انداز میں بیٹھی تھی۔

''قسمت مجھ پہ مہربان ہوئی۔'' اس نے ان کے سوالوں کے جواب میں متانت سے کہنا شروع کیا۔ ''میں اپنے ملک واپس چلی گئی' اپنے بابا کے پاس۔ وہاں میری شادی ہوگئی اور یوں میں مالی طور پہ بہت مستحکم ہوگئی۔'' وہ سچ بول رہی تھی۔ ''میں نے ان کچھ دنوں میں دولت کی بہت سی ریل پیل دیکھ لی لیکن پھر....'' اس کی آواز میں اداسیاں گھل گئیں۔

''پھر میں لیگل طریقے سے واپس آ تو گئی لیکن واپسی کی قیمت مجھے یہ چکانی پڑی کہ میرا شوہر....وہ مجھ سے کھو گیا۔''

''اوہ؟ وہ کہاں گیا؟ اتنی جلدی؟''

اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔ ''بس یوں سمجھیں کہ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ پتہ نہیں اس کو میری کیا بات بری لگی۔ خیر....'' اس نے انگلی کی نوک سے آنکھ صاف کی۔ ''اب میرے پاس کافی پیسہ ہے' سو میں ویٹرس جیسی نوکری نہیں کروں گی بلکہ کوئی بہتر کام ڈھونڈوں گی

۔البتہ آپ لوگوں کو میں ہمیشہ مس کروں گی۔ آپ نے.....اس جگہ نے.....(نگاہیں اطراف میں دوڑائیں) مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔ یہاں میں نے ہر ایک کو 'تالیہ ایک سچی اور امانت دار لڑکی ہے۔'' کہتے سنا تھا۔ ان الفاظ کو دوبارہ سننے کی خواہش نے مجھ سے بہت بروقت فیصلے کروائے ہیں۔''

وہ ٹھہر ٹھہر کے کہہ رہی تھی۔ اداس نظریں ان سب کے چہروں سے ہوتیں درودیوار پہ لپٹ جاتی تھیں۔ بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ کیسے وہ ایک کردار بناتی تھی.....کیسے وہ اس میں ڈھل جاتی تھی۔

''تالیہ.....میری بچی.....''شیف کی آنکھوں میں آنسو تھے۔''تم جب چاہو واپس آسکتی ہو۔ ہمارے دروازے تمہارے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔''

''نہ بھی ہوں تو میں کھڑکی سے کود آؤں گی' داتو سری!'' وہ نم آنکھوں سے ہنس کے بولی تو وہ سارے بھی ہنس دیے۔

اس جگہ نے ایک اور فیصلہ اس کے لئے آسان بنا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

داتن لاؤنج میں ٹہل رہی تھی جب پورچ میں کار رکنے کی آواز آئی۔ آواز تالیہ کی کار کی تھی۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور اپنے بھاری جثے کو سنبھالتی دروازے تک آئی۔

تبھی دروازہ کھلا اور تالیہ اندر داخل ہوئی۔ وہ سادہ حلیے میں دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ سپاٹ سی لگ رہی تھی۔ داتن کو دیکھ کے بس سر کو خم دیا اور آگے بڑھ گئی۔ داتن اس کی طرف گھومی یوں کہ اب دروازے کی طرف اس کی پشت تھی۔

''تم کہاں تھیں' تالیہ؟''

''جب میں کوئی اسکام شروع کرتی ہوں تو سب سے پہلا کام معلوم ہے کیا کرتی ہوں؟'' تالیہ پرس صوفے پہ ڈالتی کہہ رہی تھی۔ داتن نے الجھ کے اسے دیکھا۔''تالیہ نے جو کردار ادا کرنا ہوتا ہے' میں اس کی پروفائل لکھتی ہوں' اور پھر خود کو اس میں ڈھال لیتی ہوں۔ آج میں پرانے سوپ پارلر گئی تو مجھے یاد آیا کہ میرا ہر پلان میری پروفائل پہ انحصار کرتا ہے۔''

''میں جانتی ہوں' تالیہ۔ تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہو؟''

تالیہ پرس رکھ کے مڑی اور سادگی سے اسے دیکھا۔''میں تمہیں نہیں بتا رہی' داتن۔''

داتن چونکی۔ پھر دروازے کی طرف گھومی۔ کھلی چوکھٹ سے دھوپ اندر آ رہی تھی اور وہاں.....ایڈم کھڑا تھا۔

''اندر آجاؤ' ایڈم۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔'' وہ بے نیازی سے کہتے ہوئے لاؤنج کے کونے میں بنے دروازے تک چلی گئی۔

ایڈم نے داتن کو دیکھ کے سلام کہا اور پھر طائرانہ نظریں اطراف میں دوڑائیں۔

داتن شل ہو گئی تھی۔

وان فاتح کاباڈی مین اب اندر داخل ہور ہاتھا۔اس کے بال بے حد چھوٹے ہو گئے تھے۔ سادہ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھااور جیبوں میں ہاتھ ڈالے دلچسپی سے تالیہ کے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔

''نیچے میرا ورک روم ہے۔'' تالیہ نے کونے والے دروازے کے ساتھ بنے چوکھٹے پہ انگوٹھا رکھااور پھر کوڈ دبایا۔ برقی دروازہ کھل گیا۔ نیچے زینے تھے۔وہ زینے اترنے لگی تو بتیاں خود بخود جلنے لگیں۔

''تو آپ جو بھی چراتی ہیں' وہ نیچے محفوظ کرتی ہیں۔'' جب وہ نوجوان بھی سیڑھیوں پہ نیچے اترنے لگا تو داتن کو ہوش آیا۔ وہ ہڑبڑا کے ان کے پیچھے لپکی۔

ورک روم کی ساری بتیاں روشن ہو چکی تھیں۔ وہاں بہت سے ڈبے رکھے تھے جن میں سامان محفوظ تھا۔ایک دیوار پہ بڑے بڑے سے لاکر بھی بنے تھے جن کے ہر خانے کے مختلف کوڈز تھے۔ درمیان میں بڑی سی ورک ٹیبل تھی۔ تالیہ نے کوٹ اتار کے ایک کرسی کی پشت پہ ڈالا اور کونے سے ایک وائٹ بورڈ کھینچ سامنے لائی۔ اسٹینڈ پہ لگا وائٹ بورڈ اس نے دیوار کے سامنے رکھااور پھر سیاہ مارکر اٹھایا۔

''تالیہ ....میں تم سے بات کر سکتی ہوں؟'' داتن ہانپتی ہوئی سیڑھیاں اتر کے نیچے آئی۔ ساتھ ہی بار بار ایڈم کو گھور رہی تھی جو اس کمرے کے لاکرز دیکھ رہا تھا۔

''ایڈم سب جانتا ہے اور یہ میرے نئے اسکام میں میرا ساتھ دے گا۔'' تالیہ بورڈ پہ کچھ لکھتے ہوئے بولی تو داتن نے بے بسی سے اس کی کہنی چھوئی۔

''تالیہ ....تم اس پہ کیسے اعتبار کر سکتی ہو؟'' وہ دبی سرگوشی میں بولی۔

''مجھے آواز سنائی دے رہی ہے ویسے۔'' وہ کندھے اچکا کے بولا تو داتن نے پلٹ کے اسے بس کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''داتن پدوکا۔'' تالیہ اس کی طرف گھومی اور رسان سے کہنے لگی۔ ''ایڈم میرا دوست ہے۔ بلکہ اب ایڈم فیملی ہے۔ مجھے اس پہ مکمل اعتماد ہے۔ وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔''

''مگر تالیہ ....تم اس کو کیسے کسی اسکام میں شامل کر سکتی ہو؟ اور اسکام ہے کیا؟''

''داتن!'' تالیہ نے اس کے دونوں کندھوں کو تھامااور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میں نے تم سے بہت دفعہ کہا تھا کہ میں اس جھوٹ اور خیانت کاری کے کام کو ترک کرنا چاہتی ہوں۔ تم نہیں مانیں۔ جو اسکام اب ہم کھیلنے جا رہے ہیں' وہ سچائی اور ایمانداری سے کھیلا جائے گا۔ اگر تم خود کو وہ راستہ چھوڑنے کے لئے تیار کر سکتی ہو تو یہاں بیٹھو۔ ہم تمہیں سب بتا دیں گے۔لیکن اگر تم تیار نہیں ہو تو کچن میں جاؤ' اور میرے لئے کچھ کھانے کو لاؤ' مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ کم از کم میری توانائی برقرار رکھنے کی حد تک تو تم میری مدد کر سکتی ہو۔''

داتن بالکل ٹھنڈی پڑ گئی۔ دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا' پھر گھنگریالے سیاہ بال کان کے پیچھے اڑستی مڑ گئی۔ جاتے جاتے بھی وہ ایک جارحانہ قسم کی گھوری ایڈم پہ ڈالنا نہیں بھولی تھی۔ (ایڈم نے جلدی سے نظریں موڑ لیں اور تالیہ کی طرف متوجہ ہوا۔)

''آپ نے اتنی جلدی میں بلایا' میں بتا نہیں سکا۔ صبح وہ کو کو پھل....'' داتن چلی گئی تو وہ کہنے لگا مگر....

''میں کام کے وقت کام کے علاوہ بات نہیں کرتی 'ایڈم۔ یہ دیکھو۔'' سپاٹ سے انداز میں کہتے اس نے ایک فائل ایڈم کی طرف اچھالی۔ ایڈم نے فائل تھامتے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ دونوں میز کے کنارے پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ تالیہ کی آنکھیں سپاٹ تھیں اور ایڈم کی متاسف۔

''آپ ٹھیک ہیں نا؟'' شاہی مورخ کو شہزادی کی فکر ہوئی۔

''ہاں' میں ٹھیک ہوں۔ اور تم جانتے ہو' اب میں جھوٹ نہیں بولتی۔'' وہ سنجیدہ تھی۔

''اس بارے میں میری رائے ابھی محفوظ ہے۔'' پھر فائل کھولی اور صفحے پلٹانے لگا۔

''یہ تالیہ مراد' تنگو کامل کی ملازمہ کی پروفائل ہے۔ تنگو کامل کا خاندان اور سوپ پارلر والے اس تالیہ کو جانتے تھے۔ مولیا کو بھی میں نے حالم بن کے یہی فائل بھیجی تھی۔''

''او کے....اس کا کیا کرنا ہے۔''

تالیہ نے مارکر اس کی طرف بڑھایا اور فائل اس سے لے لی۔ ''میں اس پروفائل جیسی نہیں ہوں' اس لئے مجھے نئی پروفائل بنانی ہے۔ سچائی اور ایمانداری کے ساتھ۔ تم لکھتے جاؤ۔''

ایک دم سے وہ جیسے قدیم ملاکہ میں چلا گیا۔ فضا میں مانوس سی خوشبو آنے لگی۔ محل کا باغیچہ۔ روش پہ ٹہلتی شہزادی....جس کا تاج اور زیورات دھوپ میں چمکتے تھے اور قلم سے الفاظ کاغذ پہ گھسیٹتا شاہی مورخ جو اس کے پیچھے پیچھے چلتا تھا.....

''لکھو!'' ایڈم اس کی آواز پہ چونکا۔ سفید اسکرٹ بلاؤز اور پونی میں بندھے بالوں والی لڑکی میز کے گرد ٹہلتی فائل کھولے لکھوا رہی تھی۔ ایڈم نے غیر ارادی طور پہ سر کو تعظیم میں خم دیا' پھر مارکر لے کر وائٹ بورڈ تک آیا۔

''تالیہ مراد۔'' تالیہ فائل سے پڑھتی شروع ہوئی۔ وہ پہلے فائل کے الفاظ پڑھتی پھر اس سے مختلف الفاظ لکھواتی۔

(تالیہ مراد۔ اس کا تعلق کشمیر سے ہے۔)

''تالیہ بنتِ مراد راجہ....اس کا تعلق ملاکہ سے ہے۔''

ایڈم تعمیل کرتے ہوئے مارکر سے سفید بورڈ پہ الفاظ اتار رہا تھا۔

(تین ماہ سے تنگو کامل کی ملازمہ ہے۔ زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہے' مگر انگریزی اور ملے زبان ٹھیک سے بول لیتی ہے۔)

''وہ پچھلے کئی سال سے کے ایل میں مقیم ہے۔ وہ نہ صرف تعلیم یافتہ ہے بلکہ اس کو آدابِ معاشرت سے مکمل آگاہی ہے۔'' تالیہ میز کے گرد ٹہل کے لکھوا رہی تھی۔ ''وہ چار زبانیں بول اور لکھ لیتی ہے اور اس کو آرٹ کی گہری سمجھ ہے۔''

(بہت باتونی لڑکی ہے۔ قدرے بے وقوف اور جلد باز۔)

''وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ اسے لمبے لمبے صبر آزما کھیل کھیلنے کی عادت ہے اور وہ انسانوں کے لالچ کو اندر تک پڑھ لیتی ہے۔''

(آدھا دن تنگو کامل کی ملازمت کرتی ہے اور شام میں ایک ریستوران میں بطور ویٹرس کام کرتی ہے۔ کشمیر میں اس کا لمبا چوڑا خاندان ہے جس کی کفالت یہی کرتی ہے۔)

''لکھو۔ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے کے باعث اسے بے پناہ دولت ورثے میں ملی ہے۔ وہ کوئی جاب نہیں کرتی بلکہ سوشلائیٹ ہے اور مختلف چیریٹی ورکس میں حصہ لیتی ہے۔ اس کا کوئی خاندان نہیں ہے جو اس کی کمزوری بنے۔''

کمرے میں یا تالیہ کی آواز تھی یا شاہی مورخ کے سفید بورڈ پہ مارکر گھسیٹنے کی۔

(جو کھاتی ہے اپنے خاندان کو بھیج دیتی ہے۔ خود عام کپڑوں اور جوتوں میں خوش باش گھوم رہی ہوتی ہے۔)

''لکھو کہ تالیہ صرف اپنے لئے کماتی ہے' اپنے لئے جیتی ہے۔ شہزادیوں کی طرح رہتی ہے اور قیمتی چیزیں اوڑھتی پہنتی ہے۔''

(تالیہ کو سوپ بنانے' احمقوں کی طرح بہت بولنے اور ہر چھپکلی کا کروچ کو دیکھ کے چیخیں مار مار کے رونے کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔)

''لکھو کہ... تالیہ کو تیر اندازی اور تلوار زنی کے علاوہ پینٹنگ اور مجسمہ سازی میں بھی مہارت حاصل ہے۔ وہ اتنی بہادر ہے کہ ایک تیر سے کمبوڈو ڈریگن کو ہلاک کر سکتی ہے۔''

ہر فقرے کے ساتھ تالیہ کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ اندر جیسے بہت سا غصہ تھا جو ابل ابل کے آرہا تھا۔ ایڈم بار بار ایک خاموش نظر اس پہ ڈالتا تھا۔ اسے اس کی فکر ہو رہی تھی۔

(وہ ایسی لڑکیوں میں سے ہے جن کے پاس اچھی شکل اور دراز قد کے علاوہ کوئی خصوصیت اور صلاحیت نہیں ہوتی۔ نہ ذہانت نہ تعلیم۔)

''وہ ایسی لڑکیوں میں سے ہے جو ہمت نہیں ہارتیں' بہادری سے ہر مشکل کا سامنا کرنے کی ترکیب ڈھونڈتی ہیں اور ان کو اپنی تکمیل کے لئے کسی مرد کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

(اس کے باوجود تنگو کامل ہو یا سوپ پارلر والے' سب تالیہ سے محبت کرتے ہیں۔ میں یہ دیکھ کے بہت حیران ہوا کہ ایک کم ذہن' کم علم اور سادہ سی لڑکی پہ سب اتنا اعتبار کیوں کرتے ہیں؟ مگر اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ ایماندار' سچ بولنے اور خیال رکھنے والی لڑکی ہے۔ خوش اخلاق اور ہنس مکھ ہے۔ انہی خامیوں کی وجہ سے وہ زندگی میں کبھی ترقی نہیں کر سکی اور نہ کر سکے گی۔)

اگلی سطور پڑھ کے وہ چند لمحے تک خاموشی سے فائل پہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ ایڈم کھلا مار کر لئے منتظر سا اسے دیکھے گیا۔ پھر تالیہ نے فائل بند کی' اور چہرہ اٹھا کے جیسے حقیقت کا سامنا کیا۔

''لکھو کہ تالیہ بنت مراد کی انہی خوبیوں کی وجہ سے اس سے کوئی دل سے محبت نہیں کرتا۔ ایک بے حد شاطر' ہنر مند اور پر اعتماد لڑکی جو کسی سے نہ ڈرتی ہو' اسے لوگ مشکل سے ہی پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ مرد عورتوں کو مضبوط بننے کے لئے تو کہتے ہیں' لیکن وہ خود کو ان مضبوط عورتوں کے لئے تیار نہیں کرتے۔ لکھو کہ وہ اب جھوٹ نہیں بولتی اور ایمانداری سے معاملات ڈیل کرنا چاہتی ہے اور اسے خود بھی نہیں معلوم

کہ ان خوبیوں کے ساتھ وہ کبھی ترقی کر بھی سکے گی یا نہیں۔''

پروفائل ختم ہو چکی تھی۔ اس نے فائل میز پہ ڈال دی اور وائٹ بورڈ کو دیکھا جہاں ایڈم کا ہاتھ سرعت سے چلتا الفاظ رقم کر رہا تھا۔ پھر وہ پیچھے ہٹ گیا اور تالیہ قریب آئی۔ اس کی آنکھیں ان الفاظ پہ جمی تھیں۔

''کیا یہ پروفائل من گھڑت ہے، چے تالیہ یا اب آپ ایسی ہی بن چکی ہیں؟''

''کیا تم اب تک یہ نہیں جان پائے ہو؟'' وہ الفاظ کو پڑھتے ہوئے بولی۔

داتن ٹرے لئے نیچے آئی اور اسے میز پہ رکھا۔ پھر کرسی کھینچی اور کہنیاں میز پہ رکھے ناراض سی بیٹھ گئی۔ ایڈم نے ایک نظر ٹرے کو دیکھا اور پھر تالیہ کی پشت کو۔

''آپ کچھ کھا لیں، چے تالیہ۔'' ساتھ ہی چاکلیٹ براؤنیز کی پلیٹ اس کی طرف دھکیلی۔

داتن اسے گھورتے ہوئے قریب ہوئی۔ ''یہ براؤنیز میں اپنے لئے لائی تھی۔ تالیہ اتنی ساری چاکلیٹ اور میٹھا نہیں کھاتی۔ وہ گرل چکن کھائے گی۔''

ایڈم نے بہت ضبط سے جواباً سرگوشی کی۔ ''ان کو چاکلیٹ سب سے زیادہ پسند ہے۔ شاید آپ نہیں جانتیں۔''

''تالیہ۔ کھانا کھا لو۔'' داتن نے بلند آواز میں پکارا تو وہ جو وائٹ بورڈ پڑھنے میں مصروف تھی، چونکی اور پلٹی۔ پھر میز پہ رکھی اشیاء کو متلاشی نظروں سے دیکھا۔ ٹرے تک جھکی اور گرل چکن کی پلیٹ اٹھا کے واپس وائٹ بورڈ کی طرف مڑ گئی۔

داتن نے فاتحانہ نگاہوں سے ایڈم کو دیکھا۔ ''اس کو چاکلیٹس پسند ہیں لیکن وہ اپنی ہر پسند کو عادت نہیں بنا لیتی!'' اس کے تو جیسے اندر تک طمانیت بکھر گئی۔ اور ایڈم اندر تک جل گیا۔

''اور کچھ؟''

''بس اتنا کہ.....'' داتن اس کی طرف جھکی اور اسے گھورا۔ ''یہ وائٹ بورڈ پہ تالیہ نے کموڈو ڈریگن کو ایک تیر سے ہلاک کرنے کا لکھا ہے، وہ سچ ہو یا نہ ہو، اگر تم نے میری تالیہ کو کبھی نقصان پہنچایا تو واللہ میں تمہیں کسی بھوکے کموڈو ڈریگن کے سامنے ڈال دوں گی۔''

''پھر ایک بات میری بھی سن لیں۔'' وہ بھی اس کے قریب جھکا۔ ''ایڈم بن محمد کو کموڈو ڈریگن سے ڈر نہیں لگتا۔ اس لئے آپ اپنی دھمکی اپ گریڈ کرنے کے بارے میں سوچیں۔''

داتن نے ''ہونہہ'' میں سر جھٹکا اور تالیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ اپنی پروفائل کو ذہن نشین کر کے ان کی طرف گھوم چکی تھی اور سنجیدگی سے لائحہ عمل بتا رہی تھی۔

''داتن ..... میں جانتی ہوں اس کام میں تم ہمارا ساتھ نہیں دو گی۔ نہ میں تمہیں ساتھ چلنے کے لئے کہوں گی۔ مگر تمہیں یہیں سے ایک کام کرنا ہو گا۔ میں تمہیں ٹیکسٹ کر رہی ہوں۔''

ساتھ ہی موبائل پہ بٹن دبائے تو داتن کے فون کی ٹون بجی۔اس نے عینک لگائی اور اسکرین دیکھی۔ پھر عینک اتاری اور تالیہ سے بولی ۔"کام ہو جائے گا۔" پھر ایک جتاتی نظر ایڈم پہ ڈالی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں' چے تالیہ؟" وہ قدرے حیران تھا۔

"عصرہ کے گھر نیلامی میں۔آج گھائل غزال کی نیلامی ہے اور مجھے اس کی سب سے بھاری بولی لگانی ہے' تاکہ اشعر کے بندے اسے نہ خرید سکیں کیونکہ وہ پینٹنگ کو ٹیسٹ کروا کے عصرہ کو بے عزت کرنا چاہیں گے۔میں تیار ہونے جا رہی ہوں۔وقت کم ہے۔" وہ بے نیازی سے کہہ کے زینوں کی طرف بڑھی تو ایڈم نے الجھن سے پکارا۔

"مگر ہمیں مسز عصرہ کو اس نقلی پینٹنگ کو نیلامی پہ رکھنے سے روکنا چاہیے۔اگر آپ اسے نہ خرید سکیں اور ان لوگوں نے وہ خرید لی' تو کیا ہو گا؟"

"ایڈم' جب میں مشورہ مانگوں' تب دینا۔ابھی کھانا کھا لو۔" وہ بے نیازی سے کہہ کے زینے چڑھنے لگی۔ایڈم نے خفگی سے اسے دیکھا پھر داتن کو جو فاتحانہ مسکراہٹ سے اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔

"تالیہ کے پلانز میں تالیہ کی مرضی چلتی ہے' لڑکے!"

"بہت شکریہ۔" وہ جل کے بولا۔

داتن کے اندر تک ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ کے لان میں تقریب کے انتظامات ہو چکے تھے اور مہمانوں کی آمد آمد تھی۔بڑے بڑے شوکیسز میں قیمتی نوادرات اور پینٹنگز سجی تھیں جن کے گرد لوگ گھوم پھر کے ان کو دیکھ رہے تھے۔چوکس سیکیورٹی اہلکار جگہ جگہ تعینات تھے۔

وان فاتح اپنے کمرے میں موجود تھا۔سنگھار میز کے آئینے کے سامنے وہ کالر کھڑے کیے ٹائی پہن رہا تھا۔پھر آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے ٹھہرا۔انگلیوں سے گردن کی پشت کو ٹٹولا۔ابھرا ہوا گول نشان واضح محسوس ہوتا تھا۔

اس کی آنکھوں میں بے بس سی الجھن ابھری۔یہ زخم...یہ نشان؟ پھر اس نے سر جھٹکا (جن لڑکوں سے ہاتھا پائی ہوئی تھی' یقیناً انہوں نے ہی یہ چوٹ دی ہو گی۔یا شاید یہ پرانی ہو اور اس نے پہلے نوٹس نہ کی ہو)۔

پھر ایک دم وہ چونکا۔ٹائی وہیں گردن میں چھوڑے' اس نے موبائل اٹھایا۔

اس کی سوشل میڈیا ٹیم نے ملاکہ کے ساحل پہ چار روز قبل فاتح سے ملاقات کرنے والے نوجوان کی تصاویر شیئر کی تھیں۔یقیناً اس نوجوان نے تصاویر سوشل میڈیا پہ لگائی تھیں جہاں سے معمول کے مطابق اس کی ٹیم نے انہیں آفیشل ہینڈل پہ پوسٹ کر دیا تھا۔فاتح نے تیزی سے ان تصاویر کو کھولا۔پھر دو انگلیوں سے بڑا کیا۔

ایک تصویر ساحل پہ چلتے وان فاتح کی پشت سے کھینچی گئی تھی جس میں اس کی سفید شرٹ ہوا سے پھڑ پھڑا رہی تھی۔اور گردن صاف دکھائی دیتی تھی۔وہ بالکل صاف اور بے داغ تھی۔

فاتح کے ابرو اکٹھے ہوئے۔یہ شرٹ....یہ شرٹ کہاں گئی؟پولیس اسٹیشن کی ویڈیو میں اس کی سیاہ شرٹ تھی۔وہ ملاکہ میں صبح اٹھا' تب بھی اس کی سیاہ شرٹ تھی۔مگر اس روز تو اس نے سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔وہ شرٹ کہاں گئی؟

اس نے کوفت سے موبائل رکھا اور سر جھٹکا۔ان لڑکوں نے اسے زخمی کیا ہوگا یقیناً....کپڑے خون آلود ہو گئے ہوں گے....اس نے پھینک دیے ہوں گے....یہ اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں کہ وہ اس بارے میں اتنا سوچے۔

وہ اب سنجیدگی سے آئینے میں خود کو دیکھتا ٹائی باندھنے لگا۔پھر کالر برابر کیے۔پرفیوم اٹھا کے خود پہ چھڑکا۔سفید شرٹ پہ گہری نیلی ٹائی رات کی تقریب کی مناسبت سے بھلی معلوم ہو رہی تھی۔گیلے بال دائیں طرف کو پیچھے کر کے جما رکھے تھے۔آنکھ کا زخم ویسا ہی تھا۔

تبھی عقب میں دروازہ کھلا اور عصرہ داخل ہوئی۔جوڑا باندھے' کانوں میں آنسو شکل موتی پہنے' وہ پیر تک آتے سلور لباس میں ملبوس تھی۔دو لٹیں گھنگریالی کر کے گالوں پہ چھوڑ رکھی تھیں۔مسکراتی ہوئی وہ اس کے قریب آئی اور میز سے کنسیلر کی ڈبی اٹھائی۔

''اتنے برس پہلے جو گیلری میں نے بنائی تھی....اتنے برس جو سامان اکٹھا کیا تھا....آج وہ سب بک جائے گا۔'' وہ اداس مسکراہٹ سے کہتی کنسیلر کی ڈبی کھول رہی تھی۔فاتح نے کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اس کی طرف رخ موڑا۔

''حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔میں تو اب بھی چاہوں گا کہ تم اپنا کام جاری رکھو۔''

''ہمیں امریکہ میں سیٹل ہونے کے لئے....''

''ہم امریکہ نہیں جا رہے۔تم جانا چاہو تو الگ بات ہے۔میں یہیں رہوں گا۔ہم یہ بات کر چکے ہیں عصرہ!'' وہ ٹھنڈے انداز میں بولا تو عصرہ نے ڈبی سے ذرا سا غازہ انگلی کے پورے پہ لگایا اور پھر اسے فاتح کی آنکھ کے قریب احتیاط سے ملنے لگی۔

''تم ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتے' فاتح۔تمہارے پاس ویسے بھی الیکشن کے لئے اتنی رقم نہیں ہے۔'' اب وہ غازہ اس کی کنپٹی پہ مل رہی تھی۔زخم دھیرے دھیرے چھپنے لگا۔

''پیسوں کی فکر نہ کرو۔میں سن باؤ والا گھر بیچ رہا ہوں۔بات ختم۔'' وہ....ذرا بے رخی سے بولا تو عصرہ نے جتاتی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''تمہیں جلد یا بدیر احساس ہو جائے گا' فاتح کہ میں درست ہوں اور تم غلط۔خیر....''

زخم چھپ گیا تھا۔اس نے ڈبی رکھی اور مسکرا کے فاتح کو دیکھا جو کھنا خوش نظر آتا تھا۔

''آج کے دن تم میرا مکمل ساتھ دو گے۔جیسے میں نے تمہیں سپورٹ کیا ہے اتنے سال' تم آج اس سب کا لحاظ کرو گے۔''

''ظاہر ہے۔'' اس نے ٹائی کو دوبارہ کستے ہوئے کندھے اچکائے۔

پھر وہ دونوں ایک ساتھ باہر نکلے۔ سیاہ ٹو پیس میں ملبوس وجیہہ صورت مسکراتا ہوا فاتح اور اس کی کہنی تھامے سلور چمکتے لباس میں خوش باش سی عصرہ۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتے بے حد بھلے معلوم ہوتے تھے۔

پرفیکٹ کپل۔

''سر درد کی دوا ملے گی مسز عصرہ؟''

آواز پہ عصرہ چونک کے پلٹی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نیلامی کی تقریب شروع ہو چکی تھی۔ لان میں اونچا اسٹیج بنا تھا اور سامنے کرسیوں کی دو قطاریں لگی تھیں۔ درمیان میں گزرنے کا راستہ تھا۔ اولین کرسیوں میں سے دو نشستوں پہ تالیہ اور ایڈم بیٹھے تھے۔ ایڈم اس زبردستی کے سوٹ میں غیر آرام دہ سا بیٹھا بار بار گردن موڑے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔

''میں اور آپ ایک دفعہ پہلے بھی ایک نیلامی اٹینڈ کر چکے ہیں' بے تالیہ۔'' وہ ہچکچا کے بولا۔ ''مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ''ماضی'' خود کو دہرانے نہ لگ جائے۔''

''دہرا بھی دے تو کیا ہوا۔'' تالیہ لمبی گردن سیدھی رکھے' چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجائے سکون سے بیٹھی تھی۔ اس نے اونچا جوڑا باندھ رکھا تھا اور سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ میک اپ کے نام پہ صرف سرخ لپ اسٹک تھی۔ البتہ انگلی کی سرخ آنسو شکل انگوٹھی' کانوں کے یاقوتی ٹاپس اور گردن میں پڑا ہیرے کا نیکلیس... قدیم ملاکہ کا وہ زیورا سے مزید دلکش بنا رہا تھا۔

تالیہ کنکھیوں سے اپنے دائیں جانب' دو نشستیں چھوڑ کے بیٹھی عصرہ کو دیکھ رہی تھی جو چم چم کرتے لباس میں مسکرا کے اپنے شوہر سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ بھی مسکرا کے جواب دے رہا تھا۔ فاتح کے ساتھ بیٹھا اشعران کی بات پہ محظوظ سا ہنسا تھا۔ لوگ تصاویر اتار رہے تھے۔ ان کو سراہ رہے تھے۔ وان فاتح' اس کی بیوی اور سالہ.... پرفیکٹ فیملی کی تکون۔

''کیا ان کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ کے برا لگتا ہے آپ کو؟'' ایڈم نے سرگوشی کی تو وہ چونکی۔ وہ قدیم ملے میں مخاطب ہوا تھا۔ جب لوگ آس پاس ہوتے تو وہ دونوں قدیم ملے زبان بولنے لگتے تھے۔

تالیہ کے لبوں پہ مبہم مسکراہٹ بکھر گئی۔

''نہیں' شاہی مورخ' کیونکہ میں ان تینوں کے رشتے کی حقیقت جانتی ہوں۔ یہ ایک دوسرے سے بے زار لوگ ہیں۔'' پھر گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''تمہارے کیا ارادے ہیں اب؟''

''پتہ نہیں' بے تالیہ۔'' وہ گہری سانس لے کر اسٹیج کو دیکھنے لگا۔ کوٹ اور ٹائی میں ملبوس' چھوٹے بالوں اور گندمی رنگت والا ایڈم غیر

آرام دہ نظر آتا تھا۔

''مجھے لگتا ہے میں دو دنیاؤں کے درمیان پھنس گیا ہوں۔''

''سنو ایڈم!'' وہ اس کی طرف ذرا جھکی اور سرگوشی کی۔ ''ماضی صرف سیکھنے کے لئے ہوتا ہے۔ نہ اس کے خیالوں میں گم رہا جاتا ہے' نہ اس سے بالکل فرار حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔''

''کل تک اتنی اپ سیٹ تھیں آپ۔ ایک دن میں خود کو سنبھال کیسے لیا ہے؟'' ایڈم بس اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت ضبط سے مصنوعی مسکراہٹ سجا کے بیٹھی تھی۔ اس سوال پہ محض شانے اچکائے۔

''ایک بات تو طے ہے کہ جو بھی ہو جائے' تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔''

ایڈم کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسٹیج پہ کھڑے آدمی نے ڈائس کے مائیک پہ چہرہ جھکا کے اعلان کیا۔

''گھائل غزال۔'' ساتھ ہی بازو سے اشارہ کیا۔ دو باوردی ملازم آئے اور وہ نادر چھوٹی سی پینٹنگ اسٹینڈ پہ رکھ کے چلے گئے۔ سنہرے فریم میں مقید وہ پینٹنگ محض دو بالشت جتنی تھی۔

پیچھے اسٹیج پہ لگی بڑی پروجیکٹر اسکرین پہ اس پینٹنگ کی تعارفی ویڈیو چلنے لگی۔ کس نے بنائی' کب بنائی' وغیرہ وغیرہ۔

''بولی شروع ہوتی ہے پچاس ہزار رنگٹ سے۔ کیا کوئی اس سے زیادہ پیش کرے گا؟'' ویڈیو کے ختم ہوتے ہی میزبان نے جوش سے حاضرین کی طرف اشارہ کیا۔ تالیہ نے اپنی اسٹک اٹھائی جس پہ اس کا نمبر لکھا تھا اور با آواز بلند بولی۔

''ایک لاکھ رنگٹ!''

دو کرسیاں چھوڑ کے بیٹھی عصرہ نے مسکرا کے اسے دیکھا۔ فاتح البتہ اسٹیج کو دیکھتا رہا۔ اور اشعر.... وہ کنکھیوں سے عصرہ کو دیکھ رہا تھا....

دوسری قطار میں بیٹھے ایک صاحب نے اپنا کارڈ بلند کیا۔ ''ایک لاکھ پچیس ہزار۔'' مگر اشعر کو اس کی آواز نہ سنائی دی۔ لمحے بھر کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے سے حال لپیٹ دیا گیا اور ماضی کا منظر چلنے لگا.....

وان فاتح کی رہائشگاہ کے سامنے وہ کار میں بیٹھا تھا اور اسٹیئرنگ وہیل پہ چند کاغذ رکھے ان کو پڑھ رہا تھا۔ کاغذات نامزدگی۔ اشعر محمود۔ بالآخر اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ کاغذ جمع کروانے کی کل آخری تاریخ تھی۔

اس نے کاغذات کو تہہ کر کے پینٹ کی جیب میں ڈالا اور باہر نکلا۔ پورچ سنسان پڑا تھا۔ فاتح کی کار وہاں نہیں تھی۔ البتہ عصرہ کی کار موجود تھی۔ لان بھی خالی تھا۔ وہ جوش اور مسرت سے اندر داخل ہوا تو لاؤنج میں سامنے پہ آریانہ بیٹھی دکھائی دی۔ وہ چہرہ جھکائے کسی کلرنگ بک میں رنگ بھر رہی تھی۔ لمبے بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔ آہٹ پہ سر اٹھایا تو اشعر کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ ہلکا سا مسکرائی اور سر کو خم دے کر سلام کیا۔

''آریانہ... ممی کہاں ہیں؟'' وہ مسکراتا ہوا سامنے آیا۔ تبھی اپنے کمرے سے عصرہ نکلتی دکھائی دی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کان کا ٹاپس

بند کرتی، بغل میں پرس دبائے، عجلت میں لگتی تھی۔

''ایش.... یہ میں کیا سن رہی ہوں؟'' وہ خفا خفا سی ٹاپس بند کرتے قریب آئی۔ اشعر کی مسکراہٹ سمٹی۔

''کا کا' میں.....''

''بابا نے بتایا کہ تم کاغذات نامزدگی کے بارے میں سوچ رہے ہو۔ یقیناً یہ بے کار خیال بھی انہوں نے تمہارے دل میں ڈالا ہوگا۔ خیر میں نے ان کو اچھی خاصی سنا دی ہیں۔ بھئی حد ہوتی ہے۔ یہ کوئی تمہارے کرنے کا کام ہے۔ تم جو کر رہے ہو' اسی میں ٹھیک ہو۔'' وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔

اشعر کی مسکراہٹ بالکل معدوم ہوگئی۔ وہ چپ چاپ سننے لگا۔

''بابا کی ہر بات پہ فضول چیزیں نہ سوچنے لگ جایا کرو' ایش۔ وہ تو ہمیشہ سے ہی ایسے تھے، اور وہ شاپ تو میں نے کب سے بابا کو کہہ رکھا ہے کہ مجھے چاہیے۔ میں نے اس پہ آرٹ گیلری بنانی ہے۔''

اشعر کے کندھے ڈھیلے ہو کے نیچے جا گرے۔

''آپ نے.... پہلے تو کبھی نہیں کہا۔''

''تو اب کہہ رہی ہوں نا۔ دیکھو ایش....'' وہ مصالحتی انداز میں قریب آئی۔ ایک ہاتھ سے کلچ پکڑ لیا' دوسرا اس کے کندھے پہ رکھے نرمی سے سمجھانے لگی۔ ''مجھے آرٹ گیلری کھولنی ہے۔ میں ایک سیاسی بیوی ہوں' مجھے فاتح کے ساتھ پبلک کی نظر میں رہنا ہے۔ میرا ابھی کوئی کیرئیر' کوئی پہچان ہونی چاہیے۔ وکیل ہونے کے باوجود فاتح کے تین بچے پالتے پالتے میں کبھی پریکٹس نہیں کر سکی' (آریانہ نے سر اٹھا کے ماں کو دیکھا) اور مجھے شوق بھی نہیں ہے' لیکن یہ آرٹ گیلری فاتح کو بھی فائدہ دے گی اور تم.... تم بالکل بھی سیاست مٹیریل نہیں ہو۔ میں کبھی بابا کو یا تمہیں وہ دکان بیچنے نہیں دوں گی۔''

اشعر کے لب بھنچ گئے تھے۔ آنکھوں میں تکلیف ابھری مگر وہ کہے جا رہی تھی۔

''ایش دیکھو.... اگر تم وہ دکان بیچ بھی دو تو تم جیت نہیں سکتے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ ابھی تم صرف فاتح کو سپورٹ کرو۔ دکان کو ضائع مت کرو۔ اس سے بہتر ہے وہ دکان بابا مجھے دے دیں۔ تم جو ہو' وہی ٹھیک ہو۔ سمجھ رہے ہو نا۔''

اشعر نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کار میں بیٹھا تھا۔ کاغذات ہاتھ میں اٹھائے وہ ان کو آخری نظر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے لب بھینچ لئے اور ان کو چاک کر دیا۔ چار' پھر آٹھ ٹکڑے کیے.... اور ان کو ڈیش بورڈ کے خانے میں ڈال کے ڈھکن زور سے بند کیا۔

اس کا چہرہ اب غصے بھری بے بسی سے سرخ پڑ رہا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے پاس اس دکان کے علاوہ بیچنے کو کچھ نہیں تھا.... پانچ سال... اسے پانچ سال مزید انتظار کرنا تھا....

''دولاکھ۔''نیلامی اپنے عروج پہ تھی۔ وہ میزبان کی آواز پہ چونکا' اور پھر جلدی سے سر جھکا۔ کنکھیوں سے ساتھ بیٹھی عصرہ کو دیکھا جو جوش سے مسکراتی اسٹیج کو دیکھ رہی تھی۔

''دولاکھ پچاس ہزار!''پہلی قطار میں بیٹھی تالیہ نے سکون سے کارڈ بلند کیا۔

''دولاکھ ستر ہزار۔''دوسرے کونے میں بیٹھا آدمی فوراً سے کارڈ اٹھا کے بولا۔

''تین لاکھ۔''وہ سکون سے اسٹیج کو دیکھتی قیمت بڑھا رہی تھی۔

''سوا تین لاکھ۔''اس آدمی نے اس سے زیادہ سکون سے کہا تو تالیہ چونکی۔ پوری گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ چہرے پہ ہلکی سی پریشانی نظر آئی۔

''چے تالیہ....آپ کو یہ ہر حال میں خریدنی ہے۔''ایڈم نے اضطراب سے سرگوشی کی۔

''سوا تین لاکھ ایک...سوا تین لاکھ دو۔ چے تالیہ...کیا آپ رقم بڑھانا چاہیں گی۔''میزبان جوش سے پوچھ رہا تھا۔

تالیہ نے تھوک نگلا۔ پھر کارڈ اٹھایا۔''تین لاکھ پچاس ہزار۔''

''چار لاکھ!''وہ آدمی سرعت سے بولا۔

پہلی قطار میں سب کی گردنیں تالیہ کی طرف گھومیں۔ وہ اسٹیج کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک کھلی لٹ کان کے پیچھے اڑسی اور بولی۔ ''چار لاکھ پچیس ہزار۔''

''ساڑھے چار لاکھ۔''وہ آدمی اسے موقع نہیں دے رہا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور گردن پھیر کے عصرہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔ عصرہ کے اس طرف بیٹھا فاتح بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے پھر سے کارڈ اٹھایا۔''پونے پانچ لاکھ۔''

''چھ لاکھ!'' اس آدمی نے ایک دم چھ لاکھ پہ چھلانگ لگائی تو تالیہ نے گہری سانس لے کر کارڈ گود میں ڈال دیا۔

''چھ لاکھ ایک....چھ لاکھ دو....''پر جوش میزبان تالیہ کو دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔ اکسا رہا تھا مگر اس نے نظریں جھکالیں۔

''چے تالیہ....پلیز....''ایڈم کراہا مگر وہ دبی دبی سرگوشی میں بولی۔''میرے پاس اس سے زیادہ پیسے نہیں ہیں ایڈم۔''

''چھ لاکھ فائنل۔ مبارک ہو مسز عصرہ۔ گھائل غزال چھ لاکھ میں جناب جعفر غنی کو فروخت کی جاتی ہے۔''میزبان نے نعرہ لگایا تو لان میں بیٹھے تمام لوگ تالیاں بجانے لگے۔ سوائے ایڈم کے۔

جعفر صاحب کھڑے ہوئے اور مسکرا کے مبارکبادیں وصول کیں۔ پھر کھنکھارے۔

''مجھے یہ اعتراف کرنے دیں کہ میں اپنی جمع پونجی کا ایک حصہ اس پینٹنگ پہ لٹا رہا ہوں۔'' حاضرین نے اس بات پہ بے اختیار قہقہہ لگایا

تھا۔

''لیکن....''وہ دوبارہ کھنکھارے۔''میں اس کو خریدنے سے پہلے ایک دفعہ اس کو ٹیسٹ کروانا چاہوں گا۔''

ایک دم سے تقریب میں سناٹا چھا گیا۔ بہت سی گردنیں اس کی طرف گھومیں۔ خود عصرہ پوری کی پوری گھوم گئی۔ ابرو بھنچ گئے۔

''جعفر صاحب' یہ تمام پینٹنگز اصلی ہیں' میرے پاس ان کے کاغذات ہیں۔'' وہ جبراً مسکرا کے بولی۔''اور ہم تمام ٹیسٹ کروا چکے ہیں۔''(اشعر زیرلب مسکرایا۔)

''جی مگر اپنی تسلی کے لئے اگر اس تقریب میں موجود دو آرٹ ایکسپرٹس اس پینٹنگ کو جانچ پرکھ لیں تو میں آپ کا مشکور ہوں گا۔'' اس نے پچھلی قطار کی طرف اشارہ کیا تو دو افراد کھڑے ہوئے۔ ایک نوجوان تھا' دوسرا ادھیڑ عمر۔

''تنگو منیر صاحب۔'' عصرہ خوشگوار حیرت سے ان کو دیکھ کے جگہ سے اٹھی۔ پھر حاضرین کو دیکھا۔''یہ تنگو منیر اور اسمٰعیل صاحب ہیں۔ یونیورسٹی پروفیسرز ہونے کے علاوہ یہ ہمارے اقرباء میں سے ہیں۔ اگر یہ پینٹنگ کو جانچ پرکھ کے دیکھنا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ پلیز آپ لوگ اوپر تشریف لے آئیں۔'' وہ جوش سے کہہ رہی تھی۔

''مگر اس ٹیسٹ کی کیا ضرورت ہے؟'' تالیہ اونچا سا بولی تو سب مڑ مڑ کے اسے ہی دیکھنے لگے۔''کیا مسز عصرہ کی نیک نامی اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ یہ پینٹنگ اصلی ہے؟ اگر آپ مسز عصرہ سے کچھ خریدنے آئے ہیں تو ان پہ اعتبار بھی کریں۔'' وہ ناگواری سے کہہ رہی تھی۔ عصرہ نے ہاتھ اٹھا کے نرمی سے اسے روکا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' تالیہ۔ پلیز آپ لوگ پینٹنگ کو دیکھ لیں۔''

وہ دونوں افراد اپنی جگہ سے اٹھے اور کرسیوں کے درمیان سے گزرتے اسٹیج تک آئے۔ پھر پینٹنگ کو اسٹینڈ سے اتار کے میز پہ رکھا۔ اپنے آلات کا بیگ کھولا۔ عینکیں چڑھائیں۔

عصرہ واپس جگہ پہ بیٹھ گئی اور فاتحانہ نظروں سے اسٹیج کو دیکھنے لگی۔ تبھی اشعر نے سرگوشی کی۔''کاکا.... مجھے ڈر لگ رہا ہے.... آپ کو ٹیسٹ کی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔''

''مجھے عرب شہزادے کی بات پہ اعتبار ہے۔ وہ مجھے نقلی پینٹنگ کیوں عطیے میں دے گا۔ ڈونٹ وری۔'' عصرہ نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں اس کے خدشے کو رد کیا۔''ویسے بھی یہ دونوں ایکسپرٹ میرے پرانے جاننے والے ہیں۔ یہ کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے۔''

''چے تالیہ۔ کچھ کریں۔'' ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''میں کیا کر سکتی ہوں۔'' وہ تلخی سے بڑبڑائی۔''وان فاتح کو جنگل میں بتایا تھا میں نے کہ گھائل غزال نقلی ہے۔ ان کو وہ مشروب نہیں پینا چاہیے تھا۔ اب نتائج کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے۔''

دونوں افراد باری باری پینٹنگ کو جانچ رہے تھے۔ پرکھ رہے تھے۔ مختلف زاویوں سے جائزہ لے رہے تھے۔ پھر معمر صاحب نے سر اٹھایا اور حاضرین کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''میری پیشہ وارانہ اور ماہرانہ رائے کے مطابق.....'' وہ سانس لینے کو رکے تو سب نے دم سادھ لیا۔

''یہ پینٹنگ اصلی ہے۔''

پھر سوالیہ نگاہوں سے دوسرے ایکسپرٹ کو دیکھا۔ اس نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

''جی.....پینٹنگ واقعی اصلی ہے۔ سو فیصد۔''

جہاں پورا لان تالیوں سے گونج اٹھا' وہاں اشعر محمود کی ساری مسکراہٹیں غائب ہو گئیں۔ اس نے بے یقینی سے ایکسپرٹس کو دیکھا۔ پھر گردن موڑ کے جعفر صاحب کو جو اپنی جگہ پہ کھڑے ہکا بکا رہ گئے تھے۔ رنگت ایسی پیلی پڑی گویا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''جعفر صاحب امید ہے آپ کی تسلی ہو گئی ہو گی۔'' میزبان نے جوش سے اسے مخاطب کیا تو جعفر صاحب جبری مسکرائے اور جگہ پہ بیٹھے۔ ''آپ کے پاس رقم ادا کرنے کے لئے تین دن ہیں۔ اب ہم اگلے آئیٹم کی طرف بڑھتے ہیں....'' نیلامی پھر سے شروع ہو گئی۔

ایسے میں اشعر محمود بالکل گم صم ہو گیا تھا اور عصرہ.....اس نے گردن ذرا نکال کے دو کرسیاں چھوڑ کے بیٹھی تالیہ کو مسکرا کے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

تالیہ نے بھی جواباً مسکرا کے سر کو خم دیا اور سامنے دیکھنے لگی۔ ایڈم ابرو بھینچے ان دونوں کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''چے تالیہ.....کیا کیا ہے آپ نے؟''

تالیہ نے مسکرا کے اس کی طرف چہرا موڑا۔

''اے شاہی مورخ.....تمہاری گہری نظریں اس وقت کہاں تھیں جب بنداہارا کی حسین بیٹی نیلامی سے پہلے اندر گئی تھی؟''

''بنداہارا کی نقلی والی حسین بیٹی نے کہا تھا کہ وہ مسز عصرہ سے سر درد کی دوا لینے جا رہی ہے۔ لیکن سیانے ٹھیک کہتے تھے۔ چور چوری سے جائے' ہیرا پھیری اور کہانیاں گھڑنے سے نہ جائے۔'' وہ جل بھن گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ایک گھنٹہ پہلے''

فاتح اور عصرہ ایک ساتھ چلتے لاؤنج میں آگے بڑھ رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی۔

''سر درد کی دوا ملے گی' مسز عصرہ؟''

عصرہ چونک کے پلٹی۔ فاتح بھی ساتھ ہی مڑا۔

وہاں تالیہ کھڑی تھی۔ سرخ لپ اسٹک کے ساتھ مسکراتی ہوئی' سنہرے بالوں کا فرانسیسی جوڑا بنائے' وہ جل پری کی طرح کا سیاہ لباس

پہنے ہوئے تھی۔

"اوہ تالیہ.....تم....." عصرہ مسکرائی۔ ساتھ ہی ایک محتاط نظر فاتح پہ ڈالی جس کے ماتھے پہ اسے دیکھ کے بل پڑے تھے۔ پھر جلدی سے تشویش سے بولی۔

"ہاں میرے پاس دوا ہوگی۔ تمہارے سر میں درد ہے کیا؟"

"میرے نہیں' آپ دونوں کے سروں میں جلد ہی شدید درد ہونے والا ہے اس لئے اسپرین کی گولیاں اپنے ساتھ رکھیں۔"

عصرہ اور فاتح کے تاثرات ایک ساتھ بدلے۔ دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر الجھن بھری حیرت سے تالیہ کو۔ "کیا مطلب؟"

"مجھے کچھ ایسا معلوم ہے جو آپ دونوں کو بھی معلوم ہونا چاہیے کیونکہ....." سنہرے جوڑے والی خوبصورت لڑکی قریب آئی اور فاتح کی آنکھوں میں جھانکا۔ "جو ہمیں معلوم ہوتا ہے' وہ ہماری جان بچاتا ہے۔ اور جو ہمیں معلوم نہیں ہوتا' وہ ہماری جان لے بھی سکتا ہے۔"

مگر وان فاتح کے صاف سلیٹ جیسے ذہن کے لئے وہ فقرہ بے معنی تھا۔ وہ بھنویں اکٹھے کیے سنجیدگی سے بولا۔ "کیا کہنا چاہ رہی ہو۔"

"کیوں نا ہم اندر بیٹھ کے بات کریں؟" پھر سرسری سا اطراف میں دیکھا۔ "ویسے مجھے معلوم نہیں کہ کون سے کمرے میں بیٹھنا چاہیے۔ آپ کی فائل یقیناً میں نے آنکھیں بند کر کے چرائی تھی اسی لیے معلوم نہیں کہ کون سا کمرہ کس کا ہے۔ لیکن اس کمرے میں چلتے ہیں۔" اس نے سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا جو عصرہ کے کمرے کا تھا۔ دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تالیہ' مہمان آرہے ہیں' میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے' اس لئے امید ہے تم نے کسی ضروری بات کے لئے بلایا ہے۔" کمرے میں آ کے عصرہ سنجیدگی سے بولی۔

تالیہ نے دروازہ بند کیا اور ان دونوں کی جانب گھومی۔ پھر سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا اور بتیاں جلا لیں۔ شاہانہ بیڈروم سفید روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ بیڈ کے کنارے وہ دونوں کھڑے تھے اور ان کے مقابل تالیہ۔

"بات بہت ضروری ہے۔"

"ٹو دی پوائنٹ بات کرو' تاشہ!" بےزار سے فاتح نے کوٹ کی آستین کے پیچھے کر کے گھڑی دیکھی۔ تالیہ نے سینے پہ بازو لپیٹے اور قریب آئی۔ باری باری دونوں کی آنکھوں میں دیکھا۔

"جو گھائل غزال آپ بیچنے جا رہی ہیں' وہ نقلی ہے۔"

روشن کمرے میں یکدم سناٹا چھا گیا۔ پھر عصرہ کے ماتھے پہ بل ابھرے۔

"کیا مطلب؟ میری پینٹنگ کو ماہرین نے authenticate کیا ہے۔" اس کے گال سرخ ہوئے۔

صرف ان ماہرین نے جن سے آپ پہلی دفعہ ملی تھیں کیونکہ آپ کے جاننے والے دونوں ماہرین اچانک سے غائب ہو گئے تھے۔"

فاتح جو آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے سامنے کھڑی لڑکی کو خود اعتمادی سے بولتے دیکھ رہا تھا اس بات پہ چونک کے عصرہ کو دیکھا۔

"تم نے پینٹنگ اپنے قابلِ بھروسہ ماہرین کو نہیں دکھائی تھی؟"

"وہ.....وہ اس وقت ملائیشاء میں نہیں تھے' مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" عصرہ کا بے بسی اور غصے سے چہرہ دہکنے لگا۔ "میرے پاس سارا پیپر ورک موجود ہے۔اور....."

"جو آدمی آپ سے شہزادہ (شیخ جاسم) بن کے ملا تھا' وہ دراصل اس شہزادے کا مینیجر ہے۔ایک ملازم۔گھائل غزال واقعی اس کی تھی' مسز عصرہ' لیکن وہ ڈیڑھ سال پہلے چوری ہو گئی تھی اس نے آپ کو وہ نقلی پینٹنگ دی ہے جو چور وہاں لگا کے چلے گئے تھے۔"

"اور تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہے' تاشہ؟" وہ مشکوک چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔تالیہ نے نظروں کا رخ اس کی طرف پھیرا اور مسکرائی۔کئی زمانے پہلے ایک اور نیلامی پہ بھی وہ تقریب سے پہلے اس سے ملاقات کرنے اندھیر پنجروں تک گئی تھی۔

وقت کیسے بدل گیا تھا۔اور وقت کیسے ایک سا تھا۔

"کیونکہ جب پینٹنگز چوری ہوتی ہیں تو وہ بلیک مارکیٹ پہ بیچی جاتی ہیں جہاں سے خریدنے والے کو ٹیکس نہیں دینا پڑتا۔اور آپ کی گھائل غزال اس لئے نقلی ہے کیونکہ اصلی گھائل غزال میرے پاس ہے۔"

اس نے کہنی پہ ٹنگے پرس کو کھولا اور اندر ہاتھ ڈال کے کتاب جتنی پینٹنگ نکال کے سامنے کی۔عصرہ کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

"مگر تم نے میری ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھ کے کہا تھا کہ میری پینٹنگ اصلی ہے۔" وہ دھک سے رہ گئی۔

"کیونکہ مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ میرا اعتبار کریں گی۔"

"تم بعد میں بھی بتا سکتی تھیں۔" فاتح درشتی سے بولا۔اس کی مشکوک نظریں ہنوز تالیہ پہ جمی تھیں۔

"میں بتانے والی تھی مگر پھر آپ دونوں نے میرے اوپر فائل چوری کا الزام ڈال دیا۔اگر میں اتنی بدنیت ہوتی فاتح صاحب تو آپ کو خاموشی سے یہ بیچنے دیتی۔یہ نقلی پینٹنگ کسی نے غلطی سے آپ کو نہیں دی۔اس کے پیچھے پوری پلاننگ ہے۔اور جس نے یہ کیا ہے' اس نے اپنا خریدار باہر بٹھا رکھا ہوگا جو اونچی بولی لگا کے سب کے سامنے پینٹنگ کو ٹیسٹ کروائے گا اور نقلی نکلنے کی صورت میں آپ کی بدنامی الگ ہوگی۔مسز عصرہ پہ پولیس رپورٹ درج ہوگی' یہ جیل جائیں گی اور آپ کی ہر بیچی گئی پینٹنگ کا آڈٹ شروع ہو جائے گا۔"

"نہیں۔" عصرہ نے مضطرب چہرے کے ساتھ گردن کڑائی۔"میری پینٹنگ اصلی ہے۔تمہاری نقلی ہوگی۔"

"ہاں تاشہ' ہم کیسے مان لیں کہ تمہاری پینٹنگ نقلی نہیں ہے۔"

"میں نے آپ کے ایک پرانے ماہر طٰہٰ زہری صاحب کو بھی تقریب پہ بلایا ہے۔وہ اس وقت کے ایل میں نہیں تھے جب آپ نے اس پینٹنگ کو ٹیسٹ کروایا تھا۔مگر فی الحال وہ یہیں موجود ہیں۔آپ ان کو کال کریں۔دونوں پینٹنگز دیکھ کے خود بتا دیں گے کہ کون سی اصلی ہے۔" وہ پر اعتماد تھی۔داتن نے اس کا دیا کام بر وقت کر دیا تھا۔

عصرہ نے اسے گھورتے ہوئے کلچ کھولا' موبائل نکالا اور سنگین لہجے میں بولی۔ ''تم یہیں رہو' میں ابھی آ رہی ہوں۔'' وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ دروازہ ادھ کھلا رہ گیا۔

فاتح آنکھیں چھوٹی کر کے اس کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ''سو تم بلیک مارکیٹ سے چیزیں خریدتی ہو۔ یہ جرم ہے۔ Tax evasion 'یو نو۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ یہ پینٹنگ میں نے وہاں سے خریدی ہے۔'' وہ سچ بول رہی تھی۔

''ایک ہی بات ہے۔ خیر... اگر یہ شہزادے جاسم کے ہاں سے چوری ہو ہی گئی تھی تو اس نے پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کی۔''

''رپورٹ کر کے وہ کیا کہتے؟ یہ وہ پینٹنگ ہے جو اس نے خود بلیک مارکیٹ سے خریدی تھی اور اس پہ کبھی ٹیکس ادا نہیں کیا۔''

''اچھا مان لیا کہ تمہاری پینٹنگ اصلی ہے' اور تم میری بیوی کو ایک اسکینڈل سے بچانے آئی ہو مگر تمہیں اس سے کیا فائدہ ہو گا؟''

''شاید آپ کو ہماری ملاقات کے آخر تک معلوم ہو جائے کہ میں پینٹر سے زیادہ بھی کچھ ہوں۔'' اس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

فاتح نے بے رخی سے سر جھٹکا اور ساتھ رکھی سنگھار میز کے کنارے پہ جا بیٹھا۔ وہ بے زار کے ساتھ ساتھ مشکوک بھی لگ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عصرہ اور ایک معمر صاحب اس کمرے میں موجود تھے اور عصرہ کی گھائل غزال کا معائنہ کیا جا رہا تھا۔ عصرہ کی رنگت زرد تھی اور وہ اضطراب سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ دفعتاً طٰہٰ صاحب نے سر اٹھایا اور سادگی سے عصرہ کو دیکھا۔

''یہ نقلی ہے۔''

عصرہ نے کرب سے آنکھیں میچیں۔ اب وہ صاحب بتا رہے تھے کہ کس طرح اس نقلی پینٹنگ کو غالباً کسی اوون میں بیک کر کے age کیا گیا تھا' پینٹ سال ڈیڑھ پرانا تھا.....

''اور یہ پینٹنگ؟'' تالیہ نے بیگ سے نکال کے چھوٹی سی پینٹنگ سامنے کی تو اس نے اسے احتیاط سے تھاما پھر اونچا کر کے دیکھا۔ پھر میز پہ رکھا اور اپنی ٹول کٹ کھول لی۔ عصرہ اب بالکل خاموشی سے سینے پہ بازو لپیٹے' لب بھینچے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''یہ اصلی ہے۔ سو فیصد اصلی۔ یہ دیکھیں...'' ماہر نے پینٹنگ پہ جھکے جوش سے بتانا شروع کیا تو میز کے کونے پہ بیٹھا فاتح تیزی سے بولا،

''شکریہ طٰہٰ صاحب۔''

ماہر کی بولتی بند ہو گئی۔ اس نے گہری سانس لی اور چیزیں سمیٹنے لگا۔

اس کے جاتے ہی عصرہ نے اپنی پینٹنگ اٹھائی اور زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب یہ پینٹنگ نیلامی پہ نہیں جائے گی۔'' اس نے پینٹنگ کو زور سے ردی کی ٹوکری میں پھینکا۔ چھناکے کی آواز آئی اور شیشہ چکنا چور ہو گیا۔

''اس طرح تو آپ کو کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ سب آپ کے ساتھ کس نے کیا ہے!''

عصرہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ”میں نقلی پینٹنگ کو کیسے نیلامی پہ لگا سکتی ہوں؟“

تالیہ نے میز پہ رکھی اصلی پینٹنگ دو انگلیوں سے اس کی طرف دھکیلی۔

”آپ اس پینٹنگ کو نیلامی پہ لگا دیں۔ میں اس کی بولی لگاؤں گی۔“

”تم اپنی پینٹنگ خریدو گی؟“

”نہیں۔ آپ پہلے اس لڑکی کو بولی لگانے سے منع کریں گی جو غالباً کوئی عام سی ورکر ہے اور آپ نے اسے اچھا لباس اور زیور پہنا کے باہر معزز مہمانوں میں بٹھا رکھا ہے تاکہ وہ میرے مقابلے میں بولی لگائے اور قیمت بڑھ جائے۔“

فاتح کے کندھے سیدھے ہوئے۔ اس نے چونک کے عصرہ کو دیکھا۔ عصرہ کی پلکوں میں لرزش ہوئی۔ اس نے تھوک نگلی۔

”اتنے حیران مت ہوں فاتح صاحب۔ نیلامیوں پہ اتنا تو چلتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی امیرزادی ہر قیمت پہ نیلامی جیتنا چاہتی ہے تو اپنا بندہ بٹھایا جاتا ہے تاکہ وہ قیمت بڑھاتا جائے۔ شاید آپ نے بھی کبھی کوئی نیلامی اٹینڈ کی ہو مگر آپ کو یاد نہ ہو۔“ سرسری سا کہہ کے عصرہ کی طرف دیکھا۔

”جس نے بھی یہ کیا ہے اس کا خریدار بھی وہاں بیٹھا ہوگا۔ میں صرف قیمت بڑھاؤں گی اور وہ مجھ پہ سبقت لے جائے گا کیونکہ اس کو معلوم ہوگا کہ پینٹنگ نقلی ہے اور اسے قیمت نہیں ادا کرنی۔ لیکن اگر پینٹنگ اصلی نکل آئے تو قانوناً اس کو لازماً قیمت ادا کرنی ہوگی۔ نہ صرف آپ کو مالی فائدہ ہوگا بلکہ اس خریدار کے ذریعے آپ اصل سازشی شخص کو ٹریس بھی کر سکتی ہیں۔“

عصرہ بے بس سی بیڈ کے کونے پہ جا بیٹھی اور دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

”اور تم مفت میں ہمیں اتنی قیمتی پینٹنگ دے دو گی؟“ فاتح غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا کھڑا ہوا اور سامنے آیا۔ اب وہ دونوں مدمقابل کھڑے تھے۔ تالیہ جتانے والے انداز میں مسکرائی۔

”مفت میں تو صرف پندرہویں صدی کے چائے خانوں میں غلاموں کے لئے کھانا ملا کرتا تھا فاتح صاحب۔ دو ہزار سولہ میں مفت میں کچھ نہیں ملتا۔“

سر پکڑے بیٹھی عصرہ نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔ ”یعنی تمہیں کچھ چاہیے؟ کیا؟ نیلامی والی رقم؟“

”نہیں۔ بے تاشہ کو میرا گھر چاہیے۔“ وہ اس کے چہرے کو بغور پڑھ رہا تھا۔

تالیہ کھلے دل سے مسکرائی۔ ”آپ کا گھر اس پینٹنگ سے کافی مہنگا ہے اس لئے آپ اسے مجھے نہ بیچیں۔ صرف کرائے پہ دے دیں۔“

”کرائے پہ؟“ فاتح نے تعجب سے ابرو اچکائے۔ ”تم اس کا کیا کرو گی؟“

”مجھے اس گھر میں بیٹھ کے ایک پینٹنگ بنانی ہے۔ آپ ایک ماہ کے لئے اسے مجھے کرائے پہ دے دیں اور اگر درمیان میں آپ اسے بیچنا بھی چاہیں تو میں وہ گھر خالی کر دوں گی۔ بھلے آپ اسے اگلے ہفتے ہی بیچ دیں۔“

''اور جب تک میں وہ گھر نہ بیچوں تم اسے استعمال کرتی رہو گی؟''

''جی۔ آج بیس جولائی ہے (اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کو وہ تاریخ یاد نہ تھی۔) بیس اگست کو میں اسے خالی کر دوں گی۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو ہاں کرنے میں دیر نہ لگاتی' فاتح صاحب۔''

''تم میری جگہ پہ نہیں ہو۔'' وہ درشتی سے بولا تو تالیہ نے شانے اچکا دیے۔

''گھائل غزال آپ کی میز پہ ہے۔ میں اب باہر جا رہی ہوں۔ اگر آپ نے اسے نیلامی پہ لگا دیا تو پارٹی کے اختتام پہ آپ گھر کی چابی میرے حوالے کر دیں گے۔''

''اور اگر میں ایسا نہ کروں۔ تو؟'' فاتح ماتھے پہ بل ڈالے پوچھ رہا تھا۔

''تو نہ کریں۔ ویسے بھی یہ پینٹنگ میں نے آپ کو نہیں دی' مسز عصرہ کو دی ہے۔ اسے میری طرف سے اس نیلامی کے لئے عطیہ سمجھ کے قبول کر لیں' جیسے عرب شہزادے سے قبول کی تھی۔'' اسی کے لہجے میں الفاظ لوٹا کے وہ مڑی اور باہر نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی عصرہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پہ بے حد پریشانی تھی۔

''فاتح'' اس نے جلدی سے فاتح کے دونوں ہاتھ تھامے اور اس کے سامنے آئی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''اگر میں نے اب نیلامی سے پینٹنگ ہٹائی تو بہت بدنامی ہو گی۔ پلیز فاتح' گھر اس کو دے دو.... وہ کریزی سی سوشلائیٹ ہے۔ وہ اسی پہ خوش ہو جائے گی۔''

''تم اس لڑکی کے ساتھ کیسے کوئی سودا کر سکتی ہو جس نے میری فائل چرائی تھی۔''

''کیا پتہ اس نے نہ چرائی ہو؟ اور وہ الگ بات ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔ فاتح نے جھنجھلاہٹ سے سر جھٹکا۔

''مجھے اس گھر کو بیچنا ہے' عصرہ!''

''وہ ایک ماہ میں گھر خالی کر دے گی' فاتح۔ اس کی بات کا اعتبار کرو' اس نے ہمیں اسکینڈل سے بچایا ہے۔ یا اللہ۔ ہم تباہ ہو سکتے تھے۔'' اس نے نم پیشانی کو چھوا۔ وہ اندر تک ہل گئی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ میں اسے گھر دے دیتا ہوں' لیکن آج کے بعد تم کبھی بھی امریکہ جانے کی بات نہیں کرو گی۔ سنا تم نے؟''

عصرہ کچھ کہنے لگی' پھر سر ہلا دیا۔ ''جو تم کہو۔ بس ابھی مجھے اس سچویشن سے نکالو''

''جمعے کو میں کاغذاتِ نامزدگی جمع کروا رہا ہوں عصرہ۔ اور تم مجھے نہیں روکو گی۔ از دیٹ کلیئر!''

''تم بھی تالیہ کی طرح موقعے کا فائدہ اٹھا رہے ہو۔ واقعی۔ مفت میں کچھ نہیں ملتا لیکن خیر...'' عصرہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''مجھے ہر شرط منظور ہے۔''

''عصرہ تم راضی نہ ہو تب بھی میں نے یہی کرنا ہے۔ اگر پینٹنگ نہ رکھی تو خوامخواہ باتیں بنیں گی۔ اور ہم یہ نہیں جان سکیں گے کہ یہ کس کی حرکت ہے.... دیکھو عصرہ....'' وہ چہرے پہ نرمی لائے اس کے ہاتھ تھامے سمجھانے لگا۔ ''تم کسی کو بھی پینٹنگ کے بدلے جانے کا نہیں

بتاؤ گی۔ یہ جس نے بھی کیا ہے وہ پینٹنگ کے اصلی نکلنے پہ حیران ہوگا۔ اور کسی طریقے سے تم سے اگلوانے کی کوشش کرے گا۔ وہ یقیناً کوئی قریبی دوست وغیرہ بھی ہوسکتا ہے۔''

''اوکے پھر؟'' وہ اس کی بات سمجھ رہی تھی۔

''تم غور کرنا کہ نیلامی کے بعد تم سے کون آکے غیر ضروری سوالات پوچھتا ہے۔ کوئی پوچھے گا عصرہ۔ کوئی ضرور پوچھے گا۔'' وہ اسے غور سے دیکھتا دھیرے دھیرے سمجھا رہا تھا اور عصرہ سمجھتے ہوئے سر ہلا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''سو آپ نے سر درد کی دوا لینے کے بہانے جا کران کو سب بتا دیا۔ میں سمجھا آپ کے سر میں واقعی درد ہے اور آپ اندر تھوڑی دیر آرام کرنے گئی ہیں۔''

تقریب میں واپس آؤ تو اسٹیج پہ نیلامی جاری تھی اور پہلی قطار میں بیٹھا ایڈم دانت پیستے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ مجھے اپنا پلان بتا بھی سکتی تھیں لیکن نہیں۔ آپ ابھی تک خود کو شہزادی سمجھتی ہیں اور مجھے ایک غلام۔''

''اور بھگوڑا فوجی بھی۔'' اسٹیج کو دیکھتی تالیہ نے تصحیح کی۔

''مگر آپ نے ان کو اشعر کے بارے میں کیوں نہیں بتایا کہ یہ سب اسی کی سازش تھی؟'' ایڈم نے تالیوں کی گونج کے دوران سرگوشی کی۔

تالیہ نے آنکھیں گھما کے اسے گھورا۔

''اگر وہ اپنے دوست اور دشمن میں خود تفریق نہیں کر سکتے تو وہ اس قابل نہیں کہ ان کی مدد کی جائے۔''

ایڈم نے جواباً پتلیاں سکوڑ کے اسے گھورا۔ ''تاریخ گواہ ہے کہ آپ مجھے ہمیشہ اندھیرے میں ہی رکھتی ہیں اس لئے اس کے پیچھے بھی کوئی اور وجہ ہوگی۔'' اور منہ بنا کے چہرہ سیدھا کرلیا۔

تقریب ختم ہوئی تو اندھیرا چھا رہا تھا۔ لان میں نصب تمام برقی قمقمے جلا دیے گئے تو سارے میں روشنی پھیل گئی۔ بفے ٹیبلز پہ کھانا چن دیا گیا تھا اور مہمان اب ٹہلتے ہوئے کھانا لینے میں مصروف تھے۔

فاتح ایک ٹیبل کے سامنے کھڑا' پلیٹ اٹھائے ساتھ کھڑے ایک دوست سے بات کر رہا تھا۔ کھانا ڈال کے وہ مڑا تو دیکھا' سامنے ایڈم کھڑا ہے۔ فاتح مسکرایا اور بات ختم کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ''کیسے ہو ایڈم؟''

''کنفیوژڈ ہوں' سر۔ سوچا آپ سے ایک مشورہ مانگ لوں۔'' وہ متانت سے کہنے لگا۔

''پوچھو۔'' فاتح سلاد کے پتے کو کانٹے میں پھنسا رہا تھا۔ ایڈم کی نظریں سبز پتے پہ جھکیں تو اسے گھوڑے کو چارہ کھلاتے ہوئے اس کو سیلف اسٹیم پہ لیکچر دیتا غلام فاتح یاد آیا۔ ماضی ہر قدم پہ ایسے کیوں یاد آتا ہے؟ بھول کیوں نہیں جاتا جیسے فاتح کو بھول گیا تھا؟

''ایک کام ہے جو میں کرنا ''جانتا'' ہوں اور مجھے اسی سے متعلق جاب ملے گی۔ مگر ایک کام ہے جو میں کرنا ''چاہتا'' ہوں مگر اس کام

میں نوکری تلاش کرنا ناممکن سا لگتا ہے۔"

"کرنا کیا جانتے ہو اور کرنا کیا چاہتے ہو؟" وہ اب پلیٹ پہ چہرہ جھکائے چاولوں کو سلاد میں مکس کر رہا تھا۔

"گارڈ بن سکتا ہوں بس۔ مگر مجھے لکھنے کا شوق ہے۔" وہ جھینپ کے بولا۔ شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی۔ فاتح نے چاولوں کا چمچ لبوں میں رکھا اور چند لمحے خاموشی سے ان کو چبایا۔

"گارڈ کا کام کیا ہوتا ہے ایڈم؟"

"اپنے مالک کی حفاظت کرنا۔"

"مگر کس طرح؟ ہاتھ سے پستول تو وہ خطرے کی صورت میں نکالتا ہے اس سے پہلے وہ سارا وقت کیا کرتا ہے؟"

ایڈم نے لمحے بھر کے لئے سوچا۔ "وہ ماحول پہ گہری نظر رکھتا ہے اور اپنے مشاہدے سے ہر غیر معمولی بات کو نوٹس کرتا ہے۔"

"اور لکھنے والے کیا کرتے ہیں؟"

"وہ.... ایڈم اٹکا۔ "وہ اپنے ماحول پہ گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنے مشاہدے سے ہر غیر معمولی بات کو نوٹس کرتے ہیں۔" الفاظ ادا کر کے جیسے وہ خود گم صم ہو گیا تھا۔

"مل گیا جواب؟" فاتح مسکرا کے پلٹنے لگا پھر واپس مڑا اور اسے غور سے دیکھا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے تمہارے پاس پستول بھی ہوتا تھا۔ مگر تم نے اس دن ان لڑکوں پہ پستول نہیں اٹھایا۔ کیا تم واقعی اچھے گارڈ ہو؟"

ایڈم چونکا۔ پھر ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھی۔ "کون سے لڑکے؟"

"اس رات ملاکہ میں جن چور لڑکوں نے ہمیں روکا تھا اور مجھے زخمی کیا تھا۔ کیوں؟ تمہیں یاد نہیں؟ تم اس وقت میرے ساتھ تھے ایڈم!"

وہ غور سے ایڈم کے تاثرات کو دیکھ رہا تھا۔ اسے یاد نہیں تھا مگر ایڈم کو یاد ہونا چاہیے تھا۔ کیا واقعی وہی سب ہوا تھا جو اس نے پولیس کو ویڈیو میں بتایا تھا؟؟ یا کچھ اور ہوا تھا؟.... فاتح کے اندر جو چار دن سے کھٹک رہا تھا وہ اب زور زور سے کھٹکنے لگا۔

"مجھے.... مجھے یاد ہے سر!" ایڈم اٹک اٹک کے بولا۔ "اور میں نے پستول نکالا تھا مگر آپ نے مجھے منع کیا تھا کہ میں.... گولی نہ چلاؤں۔" وہ سچ کہہ رہا تھا۔ ذہن میں جنگل کا منظر گھوم رہا تھا جب قدیم ملاکہ میں وہ غیر مانوس زبان بولنے والے لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اس نے پستول نکالا تھا مگر فاتح نے اس ہتھیار ڈالنے کا کہہ دیا تھا۔

"کیا آپ کو نہیں یاد سر؟" اب کے ایڈم نے غور سے اسے دیکھا۔

فاتح نے سر جھٹکا۔ "مجھے کیوں یاد نہیں ہوگا۔" پھر بات پلٹ دی۔ "تم اچھے گارڈ ہو مگر کام وہ کرو جو تمہارے دل کو پسند ہو۔" سرسری سا کہتا وہ مڑ گیا۔ اندر کھٹکتی شے خاموش ہو گئی۔ سب ویسا ہی ہوا تھا یقیناً بس اسے یاد نہ تھا۔

"تعجب کی بات ہے کسی کو گھائل غزال پہ کیسے شک ہو سکتا ہے۔" عصرہ اور تالیہ ایک بفے ٹیبل کے ساتھ کھڑی تھیں جب اشعر کی آواز

نے دونوں کو چونکایا۔ تالیہ نے گردن موڑی تو وہ جو اپنی بہن کو مخاطب کرتا قریب آ رہا تھا' ایک مسکراتی نظر تالیہ پہ ڈال کے سلام میں سر کو جنبش دی۔ ''کیسی ہیں آپ' چے تالیہ؟''

''ہمیشہ کی طرح چوکنی اور ہوشیار!'' اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولی۔ وہ ہلکا سا ہنسا۔ سرمئی سوٹ اور ٹائی میں ملبوس' اس نے اپنے وجیہہ چہرے پہ ایسی مصنوعی مسکراہٹ سجا رکھی تھی جس کی ایک لکیر بھی مدھم نہ پڑتی تھی۔

''کاکا.....یہ کیا حرکت تھی تمہارے خریدار کی؟ وہ تم پہ شک کیوں کر رہا تھا؟'' وہ پھر سے موضوع کی طرف آیا۔

عصرہ جو پلیٹ پکڑے کھڑی تھی' ذرا متذبذب ہوئی۔ سیاہ رات میں اس کے چمچماتے لباس کے باوجود ایک دم مرجھا جانے والا چہرہ چھپ نہ سکا۔

''وہ.....شاید.....'' (اسے فاتح کی تنبیہہ یاد آئی۔)

''میں بتاتی ہوں۔'' تالیہ نے دھیمی آواز میں سرگوشی کی۔ ''جو گھائل غزال مسز عصرہ کو کسی نے تحفے میں دی تھی' وہ نقلی تھی۔ کیونکہ اصلی گھائل غزال کافی عرصہ قبل بلیک مارکیٹ پہ بک چکی ہے۔ عرب شہزادہ بھی نقلی تھا اور ماہرین بھی۔ سو میں نے مسز عصرہ کو اصلی پینٹنگ لا دی اور نقلی کو ہم نے ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔''

اشعر لمحے بھر کو سن ہو گیا۔ پھر آنکھوں میں تشویش ابھری۔ فوراً عصرہ کو دیکھا جو متذبذب نظر آ رہی تھی۔ ''کاکا' کیا یہ سچ ہے؟''

''اشعر آپ کے بھائی ہیں' مسز عصرہ۔'' تالیہ نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔ ''وہ آپ کی فیملی ہیں۔ ان کو نہیں بتائیں گی تو کس کو بتائیں گی کہ کتنے بڑے کرائسز سے آپ لوگ بال بال بچے ہیں۔''

عصرہ کے سارے بوجھ جیسے ہلکے ہو گئے۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی اور فوراً سے اشعر کی طرف متوجہ ہوئی۔ اب وہ تیزی سے اس کو ساری بات بتا رہی تھی اور وہ تشویش سے سن رہا تھا۔

تالیہ ان کو چھوڑ کے گھر کے بیرونی حصے کے سامنے آئی جہاں وان فاتح چلا آ رہا تھا۔ اس نے تالیہ کو قریب آنے کا اشارہ کیا تو وہ مسکراہٹ دبائے چلی آئی۔

''جی تو ا.....'' (تو انکو کہتے کہتے رکی۔) ''جی' فاتح صاحب۔'' مسکراہٹ سمٹی۔ یہ وہ شخص نہیں تھا جو بالائی منزل کی کھڑکی سے اسے دیکھتا تھا جب وہ اس قدیم صحن میں مجسمہ بنا رہی ہوتی تھی۔ یہ کوئی اور شخص تھا۔

فاتح نے مٹھی میں بند ایک چابی اس کی طرف بڑھائی۔ جسے تالیہ نے تھام لیا۔

''تم نے آج جو بھی کیا' اپنی مرضی سے کیا۔ یہ مت سمجھنا کہ میں اس کا احسان رکھوں گا یا مجھے اس کی ضرورت تھی۔ میری رائے تمہارے متعلق اب بھی وہی ہے' تاشہ۔ تم کبھی سیدھی بات نہیں کرتیں۔ پتہ نہیں اب تمہیں میرا گھر کیوں چاہیے۔ لیکن.....'' اس کے مقابل کھڑے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے تنبیہہ کی۔ ''اگر میرے گھر کے ایک انچ کو بھی نقصان پہنچا تو میں تمہیں وہاں سے فارغ کرنے میں دیر نہیں

لگاؤں گا۔"

اس کو کھری کھری سنا کے فاتح کی نظر اس کے عقب میں پڑی جہاں بفے ٹیبل کے ساتھ عصرہ اور اشعر کھڑے سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔ فاتح کی پیشانی پہ بل پڑے۔

"بے فکر رہیں۔ اشعر صاحب آپ کی فیملی ہیں۔ اس لئے میں نے پینٹنگ والا معاملہ ان کو بتا دیا۔ آخر ایسے موقع پہ فیملی کام نہیں آئے گی تو کون آئے گا ہوں؟" طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ فاتح نے بہت ضبط سے اسے دور جاتے دیکھا۔ اور پھر عصرہ اور اشعر کو۔

اس کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حالم کے بنگلے پہ اندھیرا چھایا تھا۔ کالونی کے دوسرے گھروں کی بتیاں روشن تھیں مگر آج داتن نہیں تھی' اس لئے تالیہ کے پورچ کی بتی بجھی تھی۔ اس نے کار اندر کھڑی کی اور پھر پرس کہنی پہ ٹکائے سست روی سے باہر نکلی۔ موبائل پہ ساتھ ہی کچھ ٹائپ کرتے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا تو سارا پورچ روشن ہو گیا۔

وہ موبائل پہ چہرہ جھکائے گیٹ بند کرنے پیچھے آئی تو کسی احساس کے تحت گردن اٹھائی۔

گیٹ کے اندر کی طرف سمیع کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' کھچڑی بالوں کو پی کیپ سے ڈھانکے' سانولی رنگت والا سمیع اس کو گھور رہا تھا۔

تالیہ بالکل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم اس موٹی عورت کو بھیج کے' مجھے ڈرا دھمکا کے خاموش کرا دو گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔" وہ اپنی چمکتی سیاہ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

پھر ایک قدم آگے آیا اور سینے پہ لپٹے ہاتھ کھول کے دونوں پہلوؤں پہ رکھے۔

"میں تمہارے ماضی سے واقف ہوں۔ جو تم یہاں مرحوم امیر باپ کی بیٹی بنی پھر رہی ہو نا' جس کو ترکے میں اتنی دولت مل گئی تھی' میں جانتا ہوں کہ تم یہ نہیں ہو۔ تمہارے اشعر محمود کے خاندان میں جتنے چکر لگ رہے ہیں' امید ہے جلد وہ تمہیں اپنا حصہ بنا لیں گے.....لیکن....."

داتن پیس کے ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔ تالیہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھے گئی۔

"اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم ایک fake ہو۔ ایک یتیم خانے سے نوکرانی کے طور پہ اڈاپٹ کی جانے والی لڑکی جس کو بوجھ کی طرح اس کے فوسٹر پیرنٹس نے اتار پھینکا تھا' اور جس کی پہلے ہی شادی ہو چکی ہے مگر طلاق کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور جانے کن کن طریقوں سے تم نے یہ دولت بنائی ہے۔" تحقیر سے اس کے سر سے پیر تک ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"تو وہ تمہیں فوراً اسے دور کر دیں گے۔ تمہاری ساری عزت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم مجھے میرا شیئر دو۔"

کالونی کی مدھم روشنیوں اور خالی سڑک سے ہٹ کے' وہ دونوں تالیہ کے گیٹ کے اندر آمنے سامنے کھڑے تھے۔ وہ کچھ بھی بولے بنا اسے سنتے ہوئے وقفے وقفے سے پلکیں جھپکتی تھی۔

''تمہیں ملائیشیا میں لایا تھا۔ تمہاری اس ترقی میں میرا بھی ہاتھ ہے۔ مجھے.....اپنا حصہ.....چاہیے۔'' دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔

چند ثانیے کے لئے پورچ میں سناٹا چھا گیا۔ سمیع نے دیکھا' وہ بس اسے دیکھے جارہی ہے.....دیکھے جارہی ہے.....اور پھر.....ایک دم.....وہ ہنس پڑی۔

''یا اللہ سمیع.....'' وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنستی جارہی تھی۔ سمیع کے تاثرات بدلے۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''تم میرا حصہ.....''

''تم کتنے فنی ہو' سمیع۔'' بمشکل ہنسی روک کے اس نے سمیع کو دیکھا تو آنکھوں میں بے تحاشہ ہنسنے کے باعث پانی آ گیا تھا۔

''میں تو تمہیں بھول ہی گئی تھی۔ اتنا اعرصہ ہو گیا تمہاری شکل دیکھے' مگر یا اللہ سمیع.....تم تو ابھی تک وہیں ہو۔'' وہ پھر سے ہنس دی۔

''تم مجھے جانتی نہیں ہو' تالیہ۔'' وہ غرایا۔

''اوہوں۔'' اس نے انگلیوں سے نم آنکھیں رگڑیں۔ ''بلکہ تم مجھے نہیں جانتے۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے طمانیت سے مسکرائی۔ اور دو قدم آگے آئی' پھر چہرہ اس کے قریب جھکایا اور سرگوشی کی۔

''تالیہ نے ٹوٹے جوتوں کے ساتھ جنگلوں میں سفر کیا ہے۔ اس نے کچے جانور ان دانتوں سے کھائے ہیں۔ وہ رسیاں تڑوا کے انسانی پنجروں سے اندھیری رات کو نکل کے بھاگی تھی۔ اس نے اپنے گدھ جیسے باپ کو ان انگلیوں پہ نچایا ہوا ہے۔ اسے وقت کے امراء اور رؤساء کے خلاف کھڑا ہونا بھی آتا ہے اور اسے تنہا سمندروں کا سینہ چیر کے وحشی جزیروں کو سر کرنا بھی آتا ہے۔ وہ ایک دنیا پہ حکومت کر کے آئی ہے سمیع اور تم ابھی وہیں کھڑے ہو۔''

وہ بھنویں بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

''جو تالیہ تم سے ڈرتی تھی' وہ کہیں پیچھے رہ گئی۔ جو تمہارے سامنے کھڑی ہے' اسے کچھ کھونے کا خوف نہیں ہے۔ جاؤ' جس کو جو بتانا ہے' بتا دو۔'' پھر ہاتھ اٹھا کے انگلیاں ہلائیں۔ ''Bubye''

''ٹھیک ہے۔ اب میں تمہیں وارننگ نہیں دوں گا۔ اب میں جو کروں گا' وہ تم دیکھ لوگی۔'' وہ تنفر سے اسے دیکھتا مڑا اور باہر نکل گیا۔

تالیہ نے مسکرا کے گیٹ بند کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

لاؤنج تنہا ویران پڑا تھا۔ اس نے بتیاں جلائیں اور بڑے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ پیر میز پہ رکھ دیے اور موبائل کھول لیا۔

''آج آپ سے ٹھیک سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ کیا ہم دوبارہ مل سکتے ہیں۔'' اشعر کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

''شیور' اشعر صاحب۔ صبح ناشتے پہ ملتے ہیں۔''

اشعر کو شاید اتنی جلدی مثبت جواب کی توقع نہ تھی۔اس نے فوراً اسے جواب بھیجا۔

''کہاں؟''

''صبح بتاؤں گی۔''اس نے فون پرے ڈال دیا۔ایک دم کال کی گھنٹی بجی تو اس نے مسکرا کے فون اٹھایا مگر پھر چونکی۔بجنے والا فون یہ نہیں تھا۔

تالیہ ایک دم سیدھی ہوئی اور پرس میں ہاتھ ڈالا۔دوسرا فون نکالا جو''حالم''کا تھا۔آج ہی اس نے یہ دوبارہ ایکٹو کروایا تھا۔

اس پہ غیر شناسا نمبر جگمگا رہا تھا۔شاید حالم کا کوئی کلائنٹ تھا۔تالیہ نے فون کان سے لگایا۔''ہیلو؟''

''سلام علیکم!وان فاتح بات کر رہا ہوں۔یہ میرا نیا نمبر ہے۔کیا ہم تھوڑی بات کر سکتے ہیں،حالم؟''

تالیہ لمحے بھر کو بالکل سن رہ گئی۔

اس سارے گورکھ دھندے میں اسے ایک بات بالکل بھول گئی تھی۔

اگر وان فاتح تالیہ کی ساری اچھائیاں بھول چکا ہے تو اسے حالم کی شناخت بھی یاد نہیں رہی تھی۔

وہ تالیہ پہ اعتبار نہیں کرتا تھا،مگر حالم پہ کرتا تھا۔

''شیور،فاتح صاحب۔''اس نے ٹیک لگائی اور پیر لمبے کر کے قینچی صورت میز پہ رکھے،پھر سنہری لٹ کو انگلی پہ مروڑتی،چھت پہ چمکتے فانوس کو دیکھتے ہوئے بولی۔''حالم آپ کے لئے کیا کر سکتا ہے؟''

کھیل تو ابھی شروع ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وان فاتح کے گھر کے لان کا منظر بدلا ہوا تھا۔کیٹرنگ والے ہر چیز کا صفایا کر کے جا چکے تھے اور لان اصلی حالت پہ واپس آ چکا تھا۔اندر لاؤنج میں سناٹا تھا۔گھر ذرا بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ایسے میں فاتح اپنے کمرے سے نکلا۔رات کی مناسبت سے اس نے ٹراؤزر پہ سادہ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اور پیروں میں سلیپرز تھے۔وہ عصرہ کے ادھ کھلے دروازے پہ رکا اور کھٹکھٹایا۔

سامنے عصرہ میز پہ کاغذ اور لیپ ٹاپ پھیلائے حساب کتاب میں سر دیئے بیٹھی تھی۔آہٹ پہ سر اٹھایا اور مسکرائی۔''تقریباً سب کچھ بک گیا۔نیلامی نفع بخش رہی۔تھینکس ٹو تالیہ۔''

''وہی تالیہ جس نے تمہارے بقول ہماری فائل چرائی تھی۔''

عصرہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی،پھر کندھے اچکا دیے۔''اپنی آنکھوں سے تو میں نے نہیں دیکھا تھا اسے فائل چراتے ہوئے۔میں نے تو صرف کہا تھا کہ وہ اپنی کار لینے ہمارے گھر ہماری غیر موجودگی میں آئی تھی۔تم نے ہی فرض کر لیا تھا کہ فائل اس نے چرائی ہوگی۔''

''خیر....فائل میرے پاس واپس آ گئی ہے اس لئے میں اس قصے کو فی الوقت نہیں چھیڑ رہا۔''پھر وہیں چوکھٹ پہ ہاتھ رکھے ٹھہرا

۔''امید ہے تم اپنا وعدہ یاد رکھو گی۔''

''میں نے امریکہ جانے کی بات نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا' فاتح۔ تمہارے کسی بھی الیکشن میں تمہیں سپورٹ کرنے کا نہیں۔ اس کی توقع مجھ سے نہ رکھنا۔'' وہ قطعی انداز میں بولی۔

''شب بخیر' عصرہ!'' اس نے ڈورناب سے دروازہ اپنی طرف کھینچا اور اسے بند کر دیا۔ چہرے پہ گہری سوچ چھا گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اوپر اپنی اسٹڈی کی کھڑکی میں کھڑا تھا۔ ٹھنڈے شیشے پہ ایک ہاتھ رکھے' دوسرے سے موبائل کان سے لگائے وہ نیچے نظر آتی اندھیر کالونی کو دیکھتے حالم کو سن رہا تھا۔

''حالم آپ کے لیے کیا کر سکتا ہے' فاتح صاحب؟''

''تم نے مجھے کہا تھا کہ میری فائل تالیہ نے چرائی تھی۔ کیا تمہیں یقین ہے؟''

بنا توقف کے حالم کی مردانہ آواز گونجی۔ ''تمام ثبوت تو اس کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ یہ آپ کے کسی ملازم کی حرکت نہیں ہے۔ صرف تالیہ مراد وہ اجنبی تھی جو آپ کے گھر آئی تھی اور جو اشعر محمود کے گھر اور آفس بھی آتی جاتی رہی تھی۔''

''ہوں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن کیوں' حالم؟ کن باؤ کے گھر میں ایسا کیا ہے جو اس کو چاہیے؟''

''میں پتہ کر کے بتا سکتا ہوں۔''

''نہیں تم اس کو چھوڑو۔ ایک آدمی کی تفصیلات تمہیں بھیج رہا ہوں۔ اس نے میری بیوی سے گھائل غزال خریدی ہے' مگر وہ پینٹنگ در اصل....'' اس نے مختصراً سارا واقعہ کہہ سنایا۔

''ٹھیک ہے' سر۔ میں اس آدمی کو چیک کرتا ہوں۔ آپ کو کس پہ شک ہے۔''

''پچھلی دفعہ میں نے تالیہ مراد پہ شک کا اظہار کیا تو تم نے بھی اسی کا نام لے دیا۔ اس لئے میں اپنا شک محفوظ رکھوں گا۔ مجھے ثبوت چاہیے۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا اور اس نرمی کے اندر خشکی بھی تھی۔

''آپ مجھے ہمیشہ مخلص اور نیک نیت پائیں گے' فاتح صاحب۔'' پھر حالم نے توقف کیا۔

''کچھ اور؟''

''اتوار کی رات ملاکہ میں میرے ساتھ ایک حادثہ ہوا ہے۔''

''کیسا حادثہ؟''

''تم انویسٹی گیٹر ہو' حالم۔ تم تحقیقات کر کے مجھے بمع ثبوت آگاہ کرو کہ میرے ساتھ اتوار کی رات کیا ہوا تھا اور کس نے کیا تھا؟''

''کیوں؟ کیا آپ کو نہیں یاد کہ آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''اگر میں کہوں کہ ایک پوری رات میری یادداشت سے محو ہو چکی ہے تو تم کیا کہو گے؟''

"یہی کہ آپ ایک سچے انسان ہیں۔"

اور کال کٹ گئی۔

فاتح نے کھڑکی سے ہاتھ ہٹایا تو اس پہ پانچ انگلیوں کا نشان ثبت ہو چکا تھا۔ اس نے گہری سانس لی تو دھواں سا شیشے پہ بکھر گیا اور وہ نشان دھندلا ہو گیا۔ دھندلے شیشے کے پار نیچے سیاہ رات میں ڈوبی کالونی خاموشی سے وقت گزرنے کا انتظار کرتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارلیسن نیشنل کا آفس دیکھ کے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کے فرش تلے ایک بڑا سا مال بنا ہے جہاں دفتری ماحول کے برعکس رنگوں اور روشنیوں کی بہار ہے۔

مال کی گیلریز میں شاپنگ کرتے لوگ ٹہل رہے تھے۔ دکانیں کھل چکی تھیں اور فوڈ کورٹ میں کھانے کی خوشبو پھیلی تھی۔

ایسے میں اشعر محمود مسکراتا ہوا فوڈ کورٹ کی طرف چلتا آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی رفتار سے بمشکل ملتا رملی ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"سر.... جعفر صاحب.... وہ خریدار.... بہت تپ گئے ہیں۔ قانوناً ان کو پینٹنگ کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ پینٹنگ نقلی ہوگی اور...."

اشعر ایک دم رکا اور اس کی طرف گھوما۔ رملی بھی ہڑبڑا کے رکا۔ اشعر نے اس کے سینے پہ انگلی رکھی۔ "میں نہیں.... تم.. ! تم نے وعدہ کیا تھا اس سے۔" دانت پیس کے مسکراتے ہوئے اسے گھورا۔ "واللہ اگر اس آدمی کا مجھ سے کوئی بھی تعلق ثابت ہوا تو تمہیں اس مال کی چھت سے کود جانے پہ مجبور کر دوں گا۔"

"نہیں ہو گا سر۔ کبھی نہیں ہو گا۔" وہ جلدی سے کہنے لگا۔ دونوں آمنے سامنے فوڈ کورٹ کے دہانے پہ کھڑے تھے اور اطراف میں لوگ آ جا رہے تھے۔

"میں نے ہر چیز بہترین انداز میں پلان کی تھی اور...."

"ہاں تبھی عین وقت پہ پینٹنگ کا راز کھل گیا۔ ایڈیٹ!" اشعر مصنوعی مسکراہٹ برقرار رکھے پھر سے چلنے لگا تو رملی پیچھے لپکا۔

"سر، وہ چے تالیہ نے پتہ نہیں کیسے...."

"چے تالیہ دکھاوے کی شوقین بگڑی امیر زادیوں میں سے ہے۔ اس کے پاس اصلی پینٹنگ تھی تو اس نے دکھاوا کرنا ہی تھا۔ اپنی ناکامی اس کے سر مت ڈالو۔"

پھر ہاتھ جھلا کے اسے دفعان ہونے کا اشارہ کیا تو رملی گہری سانس بھر کے وہیں رک گیا اور اشعر آگے بڑھتا گیا۔ مسکراہٹ کو مزید گہرا کر لیا اور ٹائی کی ناٹ درست کی۔ سرمئی سوٹ اور سفید شرٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح وجیہہ لگ رہا تھا۔

فوڈ کورٹ میں ایک میز پہ تالیہ بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ سنہرے بالوں کا جوڑا بنائے، وہ گرے اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ پہنے، گردن میں گرے

رومال کی گرہ باندھے بیٹھی' کافی کے گھونٹ پی رہی تھی۔ ایک گھنگریالی لٹ گال پہ جھول رہی تھی۔ اشعر کو آتے دیکھ کے مسکرا کے لٹ پیچھے کی اور کپ رکھا۔

''مجھے امید نہیں تھی کہ آپ کی صبح کا مطلب واقعی صبح ہوگا۔'' وہ ہشاش بشاش سا کہتا سامنے بیٹھا۔

''مجھے وعدے اور دوستی' دونوں کو نبھانا آتا ہے۔ اشعر صاحب۔'' وہ مسکراتی ہوئی تازہ دم سی لگ رہی تھی۔

''سب سے پہلے' تالیہ....'' اشعر نے دونوں ہاتھ اٹھا کے کہا۔ ''آپ کا بہت شکریہ....کل آپ نے ہمارے خاندان کو جس کرائسز سے بچایا....آبنگ (بھائی) نے تو ٹھیک سے شکریہ کہا نہیں ہوگا اس لئے میں....''

''شکریہ کہنا تو درکنار' وہ تو آخر میں بھی مجھ سے خفا ہی تھے۔'' اس نے اداسی سے سر جھٹکا اور کپ اٹھالیا۔ پھر رکی۔ ''آپ کافی لیں گے؟''

''نہیں' شکریہ۔ جب آپ کا ٹیکسٹ ملا میں کافی ہی پی رہا تھا۔ خیر آبنگ خفا کیوں تھے؟''

''کیونکہ انہوں نے عصرہ کو کسی سے یہ بات کرنے سے منع کیا تھا اور میں نے آپ کو بتا دیا۔ آپ تو فیملی ہیں نا۔ مطلب وہ آپ کو کیونکر اپنے دائرے سے نکال سکتے ہیں؟'' اس نے خفگی سے سر جھٹکا اور گھونٹ بھرا۔

اشعر مسکراتا رہا البتہ اس کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری۔

''انہوں نے جلد یا بدیر مجھے بتانا ہی تھا۔ ہم ایک فیملی ہیں۔''

''ظاہر ہے ان کو بتانا چاہیے تھا۔ اب اگر وہ عرب شہزادہ حقیقتاً شہزادہ نہیں تھا تو اس میں آپ کا کیا قصور؟ لیکن میں نہیں چاہتی کہ آپ کے بہنوئی اور آپ کے درمیان کوئی بدگمانی پیدا ہو۔ آپ اپنے فیس بک سے وہ تصویر اتار دیں۔''

''کون سی تصویر؟'' وہ چونکا۔ تالیہ نے جواب میں حیرت سے اسے دیکھتے کپ نیچے رکھا۔

''ارے۔ ایک سال پہلے کی ایک سفارتخانے کی تقریب کی تصویر جس میں آپ شہزادہ جاسم کے ساتھ کھڑے نظر آرہے ہیں اور ساتھ میں اس کا وہ مینیجر بھی ہے جو عصرہ سے شہزادہ جاسم بن کے ملا اور بعد میں اس کے مالک نے کہہ دیا کہ یہ میرا کزن ہے۔ اگر فاتح صاحب نے وہ تصویر دیکھی تو وہ بدگمان ہو جائیں گے حالانکہ دیکھا جائے تو آپ دن میں سینکڑوں لوگوں سے ملتے ہیں۔ آپ کو ہر ایک کی شکل تھوڑی یاد رہتی ہوگی۔''

اشعر نے بدقت مسکراہٹ قائم رکھی۔ ''میں نہیں جانتا آپ کس تصویر کی بات کر رہی ہیں۔ لیکن میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو میں کوئی تصویر کیوں اتاروں؟'' وہ پراعتماد تھا۔ ''اور آبنگ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں' وہ کبھی میرے لئے اتنا برا نہیں سوچ سکتے۔''

''اوہ ...پھر میں مطمئن ہوں۔'' پھر جیسے یاد آیا۔ ''شاید وہ تصویر آپ کے نہیں' کسی ٹورازم کے پیج پہ دیکھی تھی میں نے۔ خیر جانے دیں۔''

ارد گرد ٹہلتے لوگ، مال کی رونقیں، اشعر کو اپنے اور اس کے درمیان پھیلے تناؤ میں کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ وہ جبراً ہنوز مسکرائے جا رہا تھا۔

''خیر آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟'' وہ معصومیت سے بولی تو اشعر نے اطراف میں دیکھا۔

''تھوڑی دیر قبل میں شاید کہتا کہ ناشتے کے لئے۔ یہاں کارنر والا ریستوران میرا پسندیدہ ہے....مگر آپ شاید ناشتے کی بجائے بات چیت کرنا چاہیں گی۔ تو کیوں نا آپ بتائیں.... چےتالیہ.... کہ کل رات والے آپ کے ''احسان'' کے بدلے میں میں کیا کر سکتا ہوں آپ کے لئے؟''

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھ رہا تھا۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ کل رات والے احسان کی نہیں، اس تصویر کو فاتح کو نہ دکھانے کی بات کر رہا تھا۔

''میرے پاس دولت، مقام، جائیداد سب ہے، اشعر صاحب۔ لیکن ہاں، ایک چیز ہے جو آپ مجھے دلوا سکتے ہیں۔'' وہ کہنیاں میز پہ جمائے آگے ہوئی۔

''حکم کیجیے۔''

''مجھے باریسن نیشنل....'' ابرو سے چھت کی طرف اشارہ کیا۔ مال کی چھت سے اوپر ایک فلور باریسن نیشنل کا ہیڈ آفس تھا۔ ''....میں جاب چاہیے۔''

''جاب؟ واقعی؟'' اس نے تعجب سے ابرو اچکائے۔ ''آخری دفعہ جب ہم میرے آفس میں ملے تھے تو آپ نے کہا تھا آپ کو سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں۔''

''اس بات کو ایک زمانہ بیت گیا ہے۔''

''چھے دن بھی نہیں گزرے، تالیہ۔ خیر۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔ آپ سوشل ورک کی شوقین ہیں اور آپ کو لگتا ہے کہ آپ سیاسی پارٹی میں یہ کام کر سکتی ہیں۔ اچھی سوچ ہے مگر یہ یاد رکھیے گا کہ سیاسی پارٹی میں کام کرنے پہ آپ کو ملے گا کچھ نہیں۔''

''تو آپ کیوں کرتے ہیں؟''

''کیونکہ صرف دو عہدے ایسے ہیں جو pay back کرتے ہیں۔ ایک سیاستدان ہونا یا دوسرا کسی سیاستدان کا کنگ میکر ہونا۔ ایک میں ہوں اور ایک میں رہ چکا ہوں۔ اس کے علاوہ تمام جابز بے کار ہیں۔''

''تو کوئی بے کار جاب ہی دلوا دیں آپ مجھے۔ کوئی اعلیٰ عہدہ۔'' اس نے کافی پیتے ہوئے شانے اچکائے۔

اشعر نے تھوڑی کو ناخن سے رگڑتے سوچا۔ ''فنانس ڈیپارٹمنٹ میں، یا میڈیا اسٹریٹیجی کمیٹی میں آپ کو بہت اچھی جاب مل سکتی ہے۔ آپ کو میڈیا اسٹریٹیجی میں ہونا چاہیے۔ سیلری بھی اچھی ہوگی اور جاب بھی اسٹیٹس والی ہے۔ آپ سی وی لائی ہیں؟''

''جی۔ بالکل۔'' اس نے پرس کی طرف اشارہ کیا۔

''او کے تو پھر میرے ساتھ اوپر آئیں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ساتھ ہی کوٹ کا بٹن بند کیا۔

''مگر امید ہے ایک بات آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گی کہ میں باریسن نیشنل میں کسی کو جاب نہیں دے سکتا۔ میں صرف سفارش کر سکتا ہوں۔''

''میں جانتی ہوں۔'' وہ بھی مسکرا کے پرس اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئی۔ ''اگر کوئی آؤٹ آف دی وے جا کر مجھے ایک اچھی پوسٹ پہ ہائر کر سکتا ہے تو وہ وان فاتح ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ آپ میری سفارش کریں تاکہ وہ انکار نہ کر سکیں۔'' اس کا انداز قطعی اور حتمی تھا۔

''شیور۔ آ بنگ آفس میں ہوں گے۔ چلیں۔ ان سے ابھی بات کر لیتے ہیں۔'' وہ فوراً تیار ہو گیا تھا۔ اسے فاتح کے آفس میں صرف اشعر کی سفارش سے جاب مل سکتی تھی اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ فاتح یہ جان پائے کہ اشعر نے گھائل غزال والی حرکت کی تھی۔ اشعر محمود اس بات کو بخوبی سمجھ رہا تھا اور پہلی دفعہ اس کی رائے تالیہ کے بارے میں بدل رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مرغی آج صبح سے ہی مسلسل کٹ کٹا رہی تھی۔ چوزے چوں چوں کرتے باغیچے میں بھاگتے پھر رہے تھے۔ بلی نے صبح حملے کی کوشش کی تو ایڈم کی ماں نوکیلی تار لے آئی اور چھوٹی دیواروں کی منڈیر پہ لگانے لگی۔ اسکارف لپیٹے' آستین چڑھائے' ایبو ٹھنڈی میٹھی دھوپ میں کھڑی تار لگا رہی تھی۔ دفعتاً کسی احساس کے تحت پیچھے دیکھا تو ایڈم کو برآمدے کے اسٹیپ پہ بیٹھے پایا۔ وہ نوٹ پیڈ گھٹنوں پہ رکھے' قلم کا کنارہ لبوں پہ دبائے دور افق کو دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک شب خوابی کی رف ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

''کیا لکھ رہے ہو؟''

''اپنے اردگرد کے ماحول کا گہرے مشاہدہ کر کے کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ سوچ رہا ہوں' کیا لکھوں۔''

''اصلی لکھاری لوگوں کو قلم اور کاغذ اٹھانے سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کیا لکھنا ہے' اگر وہ خالی کاغذ کو گھوریں تو یا ان کا موڈ نہیں یا وہ لکھاری نہیں۔''

''اور تمہیں لکھاریوں کے بارے میں اتنا کیسے معلوم' ایبو؟''

''تمہارے تایا کسی زمانے میں شاعری کرتے تھے۔ ان کی چائے قہوے بناتے بناتے اتنی سمجھ تو آ ہی گئی تھی۔'' وہ اس کی طرف پشت کیے تار لپیٹ رہی تھی۔

ایڈم نے سست روی سے ہاتھ کی پشت سے جمائی روکی۔ پھر اداسی سے دور آسمان کو دیکھنے لگا۔ ''کہانی لکھنا چاہ رہا ہوں' ایبو۔''

''یہ تمہیں لکھنے کا شوق کب سے ہو گیا۔''

''جب سے ملاکہ گیا ہوں' تب سے۔''

''میں دیکھ رہی ہوں' ایڈم۔ جب سے واپس آئے ہو بدلے بدلے لگ رہے ہو۔ کوئی بات ہے کیا؟'' وہ میخ کے ساتھ تار کو لپیٹ کے

گرہ باندھتے ہوئے بولی۔

''نہیں۔ میں تو ویسا ہی ہوں۔'' اس نے نظریں چراتے ہوئے کندھے اچکائے۔ مرغی کٹ کٹاتی ہوئی اس کے قدموں کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ چوزوں کا غول بھی پیچھے لپکا۔

''پھر اس لکھنے کے شوق کو چھوڑو اور نوکری تلاش کرو۔ بغیر نوکری کے فاطمہ کے گھر والے شادی نہیں کریں گے ایڈم۔ اور شادی میں صرف دو ماہ رہتے ہیں۔''

''پیسے آ جائیں گے ناں۔ بہت جلد۔'' اس نے بے پرواہی سے کہا اور پیڈ پہ جھک گیا۔ قلم کھولا اور الفاظ اتارنے لگا۔

ایبو نے تار کا آخری سرہ باندھا اور پھر ستائش سے اسے دیکھا۔ دیوار کی منڈیر پہ سرحدی علاقے جیسی گول گول تار لگ چکی تھی۔ اب بلی کوئی جسارت کر کے تو دکھائے۔

''ایبو۔'' ایڈم کا دماغ بھٹکنے لگا تو اسے پکارا۔ وہ مڑ کے اسے دیکھنے لگی۔ نکھری دھوپ میں برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھا ایڈم بن محمد غمزدہ لگ رہا تھا۔ کسی اور کے لئے غمزدہ۔

''اگر کوئی انسان کسی دوسرے کو بھول جائے.... ایسے بھول جائے جیسے یادداشت کھو جاتی ہے۔ جیسے سمندر میں جہاز ڈوب جاتا ہے۔ اور دوسرا انسان مسلسل تکلیف میں ہو تو اس دوسرے کو کیا نصیحت کرنی چاہیے؟''

''دوسرا تکلیف میں کیوں ہے؟'' ایبو اس کے سامنے آ رکی اور غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''دوسرے کو پہلے سے محبت تھی اور اب اس کی بے اعتنائی اس کے لئے تکلیف بن رہی ہے۔''

''اور تیسرا کیا چاہتا ہے؟''

ایڈم نے چونک کے اس کو دیکھا۔ وہ تیز دھوپ میں کھڑی تھی اس لئے اس کا چہرہ واضح دکھائی نہ دیتا تھا۔

''تیسرا بس یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔''

''پھر اس کو چاہیے کہ دوسرے کو بتائے کہ زندگی میں ایسا ہو جاتا ہے۔ کبھی جو دل کے بہت قریب تھا' وہ یوں بے پرواہ ہو جاتا ہے جیسے ہم اس کے پیر کی خاک برابر بھی نہ تھے۔ لوگ ہمیں بھول کے اپنی زندگیوں میں آگے بڑھ جاتے ہیں اور ہم ان کی بے اعتنائی سے مسلسل اذیت میں رہتے ہیں۔''

''تو ایسے وقت میں کیا کیا جائے؟''

''یہ سمجھ لیا جائے کہ کوئی تیسرا یا چوتھا کسی دو لوگوں کے رشتے کو تڑوا نہیں سکتا۔ رشتوں کو وہ دو لوگ خود بھی نہیں توڑتے۔ یہ ہمارا مالک ہوتا ہے' ہمارا اللہ تعالیٰ جو لوگوں کو ہماری زندگی میں لاتا ہے اور ہمارے دلوں میں ان کی محبت ڈالتا ہے۔ وہی ہنساتا ہے' وہی رلاتا ہے۔ وہی مردہ ہوئے دلوں کو محبت سے زندہ کرتا ہے اور وہی ان لوگوں کو پھر ہماری زندگی سے لے بھی جاتا ہے۔ دل اللہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ وہی

ان کو الٹاتا پلٹاتا رہتا ہے۔"

"اللہ تعالیٰ ایسا کیوں کرتا ہے؟"

"کیوں کا جواب ڈھونڈنے سے اذیت کم تو نہیں ہو جائے گی' بیٹا۔ جسم میں تکلیف ہو تو ہم جان جاتے ہیں کہ کوئی شے درد دے رہی ہے۔ پھر ہم اس شے کو جسم سے دور کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ کبھی دوا لے کر' کبھی چبھا ہوا کانٹا نکال کے' کبھی گرم توے سے ہاتھ دور لے جا کے۔ جب بھی کچھ تکلیف دیتا ہے تو ہمیں اپنے آپ کو اس سے دور کرنا ہوتا ہے۔"

"میں انسانی رشتوں کی بات کر رہا ہوں۔ محبتوں کی۔"

"محبت تو راحت دیتی ہے' تکلیف نہیں۔ اور اگر یہ تکلیف دینے لگے تو یہ بھی ایک نشانی ہوتی ہے کہ خود کو اذیت دینے والے شخص سے دور کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔"

"کیا فرار اس کا واحد حل ہے؟ جس سے محبت ہے اس کو نہ دیکھو' اس سے دور چلے جاؤ۔ کیا ایسے دلوں کے روگ ٹھیک ہو جاتے ہیں؟"

"اکثر کے ہو جاتے ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں' وہ اس سے دور چلی جائے تاکہ اس کے دل کا روگ دور ہو سکے مگر اس نے اسے ایسی مجبوری اور وعدے کے رشتے میں باندھ دیا ہے کہ وہ تکلیف سہتی رہے گی مگر اس کے ساتھ رہے گی۔ اور ساتھ رہنے کے بہانے ڈھونڈے گی۔ وہ ایسے کانٹے کی طرح ہے جو اس کے دل میں چبھا ہے مگر وہ اسے نکال کے تکلیف کو کم بھی نہیں کر سکتی۔" وہ اب باغیچے میں بھاگتے چوزوں کے ننھے پیروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تو پھر تیسرے کو چاہیے کہ ان دونوں کو ان کے حال پہ چھوڑ کے اپنی تکلیف کی فکر کرے۔"

ایڈم نے سر جھٹکا اور پھر نگاہیں چرا کے چہرہ کاغذ پہ جھکا دیا۔

"شکریہ ماں۔ مجھے لکھنے کے لئے موضوع مل گیا ہے۔" وہ ماں سے نظر ملائے بغیر تیز تیز قلم کاغذ پہ گھسیٹنے لگا۔ ایبو دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے افسوس سے اسے دیکھتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس وقت اشعر محمود نے آفس کا دروازہ کھولا' فاتح اپنی کرسی سے اٹھ کے کافی ٹیبل کی طرف جا رہا تھا۔ کوٹ اسٹینڈ پہ ٹنگا تھا اور وہ سفید شرٹ اور اسٹرائپ والی ٹائی میں ملبوس تھا۔ دروازہ کھلنے پہ گردن موڑ کے دیکھا۔ اشعر کو وہاں پا کے ہلکا سا مسکرایا اور کافی اسٹینڈ تک آیا۔

"خیریت؟"

"میرا ایک کام کرنا ہے آپ کو۔" اشعر بشاشت سے کہتا سامنے آیا اور کھڑے کھڑے بولا۔ "کسی کو جاب چاہیے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کو ہمارے آفس میں کوئی اونچا عہدہ دیں۔ ڈیپارٹمنٹ ہیڈ بنا دیں یا کوئی بھی اچھی جاب۔ آپ یہ کر سکتے ہیں۔"

فاتح نے پانی کی بوتل اٹھائی اور ڈھکن انگلیوں سے گھما کے کھولا۔ ''میرٹ بنتا ہے اس کا؟''

''وہ ٹیلنٹڈ بھی ہے اور اہل بھی۔ مجھے یقین ہے وہ بہت اچھا اضافہ ثابت ہوگی۔'' وہ وہیں میز کے کنارے کھڑا کہہ رہا تھا۔

''ایش.... یوں ایک دم کسی کو رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ مجھے ایچ آر کو مطمئن کرنا ہوگا۔ پھر ایتھکس کمیٹی کو بھی مسئلے ہو جاتے ہیں اس طرح کی تقرریوں سے۔'' کہتے ہوئے فاتح نے کافی میکر کا ڈھکن اٹھایا اور بوتل اس کے اندر انڈیلی۔ پانی کی دھار گرنے لگی تو وہ بوتل اوپر لے گیا۔ کافی اوپر۔ پانی اب لمبی دھار کی صورت نیچے گرتا خانے کو بھر رہا تھا۔ اشعر نے گردن اونچی کر کے پہلے اس کے ہاتھوں کی مہارت دیکھی۔ پھر اس کو دیکھا۔

''آبنگ.... صاف بات کرتے ہیں۔ میں نے اتنے سالوں میں آپ کے کہنے پہ بہت سے غریب لوگوں کو اپنی فرم میں نوکریاں دی ہیں۔ پارٹی میں کارکنوں کو اپنی طاقت کے مطابق اکوموڈیٹ کرتا رہتا ہوں۔ اس لئے مجھے آپ ایچ آر کے حوالے مت دیں۔ مجھے زبان دیجیئے کہ آپ میری امیدوار کو ایک بہت اچھی جاب دلوا دیں گے۔ اپنے آس پاس۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

''شیور۔ میں اس کی اہلیت کے مطابق اس کو یہاں جاب دلوا دوں گا۔ اسے بھیجو۔''

پھر فاتح نے کین کھول کے کافی نکالی اور کافی میکر کے اندر الٹی۔ ہر خانے کو جگہ پہ فکس کیا' اور بٹن آن کیا۔ اسی دوران دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ وہ بوتل اور فلٹر پیپرز کو اپنی جگہ پہ سیٹ کر کے اسی بے نیازی سے مڑا تو دیکھا۔

اشعر کے ساتھ وہاں تالیہ کھڑی تھی۔ گردن میں رومال کی گرہ لگائے' سنہرے بالوں کو جوڑے میں سمیٹے' وہ سادگی سے کبھی اس کو دیکھتی کبھی اشعر کو۔ فائل سینے سے لگا رکھی تھی۔

وان فاتح نے دونوں ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔

''سیرئیسلی؟'' پھر جیسے تعجب سے سر جھٹک کے ہنسا۔

''تالیہ.... آبنگ نے مجھے زبان دی ہے کہ وہ تمہیں اپنے قریب بہت اچھی جاب دلوا دیں گے۔'' ساتھ ہی اشعر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی تو فاتح نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے' تم جاؤ۔ اور تاشہ.... تم بیٹھو۔''

اشعر نے جانے سے قبل اس کی آنکھوں میں دیکھ کے یاد دہانی کروائی' جیسے کہہ رہا ہو۔ (آبنگ.... آپ یہ ضرور کریں گے کیونکہ میں بھی آپ کے کام کرتا رہا ہوں۔) فاتح نے خاموشی سے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

وہ دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے تو تالیہ کرسی پہ بیٹھی اور فائل سامنے رکھ دی۔ کندھے اور گردن سیدھی رکھے' اب وہ خود اعتمادی سے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''تو تمہیں بی این (باریسن نیشنل) میں اچھی جاب چاہیے؟'' عینک لگاتے ہوئے سامنے کرسی پہ بیٹھا اور فائل اٹھا کے کھولی۔ انداز

پروفیشنل ہو گیا۔ رات والے واقعے کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

''جی' سر!''

''ہوں!'' وہ اس کے کاغذات کو پڑھ رہا تھا۔ کونے میں رکھے کافی میکر سے پانی ابلنے کی آواز آنے لگی تھی۔

''ماسٹرز میں تم نے پولیٹیکل سائنس یا آئی آر یا سوشیالوجی نہیں پڑھی لیکن کوئی بات نہیں۔'' اس نے صفحہ پلٹایا۔ ''تمہارے مارکس اچھے تھے۔ لاہور سے کیا تھا تم نے ماسٹرز!'' وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''کے ایل سے تم نے چند آرٹ کورسز کیے ہیں۔ پینٹنگز اور مجسمے بنا سکتی ہو۔ رائفل شوٹنگ کا کورس' جمناسٹک۔ ہوں۔''

پانی ابلنے کی آواز بلند ہوئی تو کافی کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرانے لگی۔ وہ خاموشی سے اس کو اپنی فائل پڑھتے دیکھے گئی۔

''سی وی اتنی متاثر کن نہیں ہے تمہاری لیکن اشعر سے وعدہ کیا ہے میں نے۔'' اب اس نے واپس پہلا صفحہ پلٹایا اور رک کے اس کا نام پڑھا۔ ''تالیہ مراد بنت مراد راجہ۔'' پھر عینک کے اوپر سے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''تمہارے دادا کو بھی تمہاری طرح تاریخ سے دلچسپی تھی کیا؟ کیونکہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام ملاکہ سلطنت کے ایک بنداہارا کے نام پہ رکھا ہے۔''

تالیہ کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری مگر تاثرات ہموار رہے۔ ''مراد راجہ صرف سلطان مرسل شاہ کے بنداہارا کا نام نہیں تھا' یہ عام سا نام ہے۔'' پھر توقف کیا۔ ''اور ویسے بھی بنداہارا مراد راجہ اتنا مشہور نہیں کہ اس کے نام کے اوپر لوگوں کے نام رکھے جائیں۔'' آواز تلخ ہو گئی۔ اندر جیسے اپنے باپ کے لئے غصہ ابلنے لگا۔

''مشہور ہونے کی بات نہیں ہوتی ' تاشہ ۔ مراد راجہ تاریخ کا ایک عظیم کردار تھا اور اس کو میرا خیال ہے لوگ misunderstand کرتے آئے ہیں۔ وہ ایک اچھا اور honourable آدمی تھا۔ مگر ہماری سوشلائٹ لڑکیوں کو تاریخ کی گہرائی میں جانے کا شوق نہیں ہوتا۔ افسوس۔" فاتح کی نظریں فائل پہ جھک گئیں تو وہ بہت ضبط سے بولی۔

"تاریخ ویسی نہیں ہوتی جیسی مورخ قلمبند کرتے ہیں۔"

مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

"تمہارے والد حیات ہیں؟" پھر یاد آیا۔ "اوہ رائٹ، ان کی وفات ہو چکی ہے جس کے بعد تمہیں یہ سب ترکے میں ملا تھا۔ عصرہ نے بتایا تھا۔ خیر۔ کیا کرتے تھے وہ؟"

"وہ سیاست دان تھے۔ بہت دانا، بہت زیرک انسان تھے۔ اور ان کی وفات نہیں ہوئی۔" فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔ "جب آخری دفعہ میں نے انہیں دیکھا تھا تو وہ زندہ تھے اور صحیح سلامت تھے۔ ہاں، اب ان کی قبر بھی ہے اور وقت کی دھول میں وہ قبر ملیا میٹ ہو چکی ہو گی مگر میرے لیے وہ ابھی بھی زندہ ہیں۔"

"ہاؤ نائس!" اس نے بغیر اثر لیے صفحہ پلٹایا۔ پھر کچھ پڑھ کر چونک کے اسے عینک کے اوپر سے دیکھا۔

"میریٹل اسٹیٹس۔ میرڈ؟ تو تم شادی شدہ ہو؟ پھر ہم ابھی تک تمہارے شوہر سے کیوں نہیں ملے؟" فائل بند کرتے ہوئے عینک اتار کے رکھی اور پیچھے کو ٹیک لگائی۔ تالیہ مراد کے اندر تک کانٹے سے چبھ گئے۔ تکلیف بہت زیادہ تھی۔

"میں اور میرے شوہر۔ ہم ساتھ نہیں رہتے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہنے لگی۔ وہاں کوئی جذبہ، کوئی بے چینی کچھ نہ تھا۔ یادوں کے ساتھ احساس بھی مر گئے تھے۔

"کیوں؟" اس نے تعجب سے ابرو اکٹھے کیے۔

"ہم ایک لمبے سفر سے لوٹے تو میں نے جانا کہ وہ واپس نہیں آیا۔ وہ ایک دوسرے سفر پہ نکل گیا۔ شاید خودغرض تھا، شاید مجھے protect کرنا چاہتا تھا۔ ساتھ بھی نہیں رہا اور چھوڑا بھی نہیں۔ اب اس کے آگے اونچی منزلیں ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ وہ ان کو پا لے۔"

کرسی پہ ٹیک لگائے، گال تلے انگلی رکھے بیٹھے فاتح نے سوچنے والے انداز میں پوچھا۔ "واپس آئے گا کیا؟"

وہ مسکرائی اور آگے کو جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "میں تالیہ بنت مراد راجہ ہوں۔ اگر وہ خود سے واپس نہ آیا تو اس کو گردن سے دبوچ کے واپس کھینچ لاؤں گی۔ پھر چاہے مجھے کسی کی قبر بنانی پڑے یا پرانی قبر کھودنی پڑے، ایک بات تو طے ہے کہ تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔"

"اوکے کول۔ خیر... باریسن نیشنل میں کیوں کام کرنا چاہتی ہو؟ حالانکہ تم جانتی ہو میں تمہیں بالکل پسند نہیں کرتا۔"

ابلتی کافی قطرہ قطرہ جگ میں گر رہی تھی اور اس کی کڑوی خوشبو سارے آفس میں پھیل چکی تھی۔

(میں چاہتا ہوں وہ میرے ساتھ رہے کیونکہ اسے میری اور مجھے اس کی ضرورت ہے۔ چار ماہ قبل میں تالیہ کو ایک بد دیانت اور سطحی سوشلائٹ کے طور پہ جانتا تھا جس نے میری فائل چرائی تھی۔ اگر چیزیں واپس اسی مقام پہ پہنچ جائیں، تب بھی یہی چاہوں گا کہ وہ میرے ساتھ رہے۔ بھلے میں اسے ناپسند کروں، اسے دھتکاروں مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ تب بھی میرے ساتھ رہے۔ امید ہے اسے وعدے نبھانے آتے ہوں گے۔)

اس نے بہت سی کڑوی مہک اندر اتاری اور مسکرا کے گویا ہوئی۔

"آپ کے ساتھ کام کرنا میری سی وی کو چار چاند لگا دے گا۔ کچھ عرصے کی جاب سے مجھے مستقبل میں بہتر جابز مل جائیں گی۔ اور میں ایک اعلیٰ عہدہ اس لیے بھی چاہتی ہوں کیونکہ مجھے لیڈ کرنے کی عادت ہے، لیڈ ہونے کی نہیں۔ مجھے boss lady بن کے حکم چلانا اچھا لگتا ہے۔ میرا خیال ہے میں ماتحتی کرنے کی بجائے ایک اچھی پروجیکٹ ہیڈ بن سکتی ہوں۔ مجھے سیاست کی سمجھ بوجھ بھی ہے اور مجھے عالمی سیاست سے دلچسپی بھی ہے۔ آپ مجھے کام دیں، میں ہر کام کر سکتی ہوں۔"

اعلیٰ عہدے کا مطلب ہے، کام کا بہت زیادہ بوجھ۔۔اور جہاں تک میں اپنے معاشرے کو جانتا ہوں، نازک سوشلائٹس دن کے بارہ بجے اٹھتی ہیں اور ان کی ساری زندگی شام کو ہونے والی پارٹی کا گاؤن منتخب کرنے تک محدود رہتی ہے۔اگر میں تمہیں کوئی بہت بڑا عہدہ دے بھی دوں تو کیا تم کام کرلوگی؟" وہ سنجیدہ تھا۔

کافی ابل ابل کے جگ کو بھر چکی تھی اور پھر مشین ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔

"میرا آپ سے وعدہ ہے کہ آپ مجھے جو کام جب بھی اور جتنا بھی دیں گے، میں بغیر شکایت کے اسے مکمل کر کے دوں گی۔میں سب کر سکتی ہوں۔آپ جلد جان جائیں گے۔"

"سو تمہارے کوئی سوشل ورک، لوگوں کی بہبود وغیرہ کے عزائم نہیں ہیں؟"

"میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔گو کہ مجھے بہت اچھی سیاسی سمجھ بوجھ ہے، مگر میں یہ نہیں کہوں گی کہ میں بی این میں اس لیے آنا چاہتی ہوں کہ ملائشیا جیسے ایک تیسری دنیا کے ملک کو دنیا کا بہترین ملک بنا دوں، وغیرہ وغیرہ، یا پھر۔۔۔"

"تیسری دنیا کیا ہوتی ہے تاشہ؟"

اس نے ایک دم پوچھا تو وہ بولتے بولتے رکی۔ابرو بھینچ کے پوچھا۔"سوری؟"

"تیسری دنیا کا ملک ہونے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟" وہ کہتے ہوئے کھڑا ہوا، کرسی دھکیلی اور کافی ٹیبل تک گیا۔

"ترقی پذیر ملک۔گو کہ ملائشیا اب ایسا نہیں ہے مگر میری بات کا مطلب تھا کہ۔۔۔"

"سرد جنگ ایک بہت طویل جنگ تھی جو ہماری دنیا میں ہوئی تھی۔یہ دراصل جنگ نہیں تھی، بس امریکہ اور روس کے درمیان ایک تناؤ، ایک تلخی تھی کہ کس کا نظام بہتر ہے۔امریکہ کا کیپٹلزم یا روس کا کمیونزم۔" وہ کیبنٹ کھول کے کافی کا مگ نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔تالیہ کرسی پہ ترچھی ہو کے اسے دیکھنے لگی۔

"ایک طرف مغربی بلاک تھا۔امریکہ اور نیٹو ممالک کا۔دوسری طرف مشرقی بلاک تھا۔سوویت یونین (روس) اور اس کے اتحادیوں کا۔کئی سال یہ دونوں بلاک اپنے نظام کو بہتر ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔" اس نے کافی میکر کے اندر سے گرم جگ نکالا اور مگ میں اسے انڈیلا۔

"جن ممالک نے اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا، ان کو پہلی دنیا کے ممالک کہا جاتا تھا۔جنہوں نے روس کا ساتھ دیا، وہ دوسری دنیا کے ممالک کہلائے اور۔۔" اس نے جگ کو مگ سے دو تین فٹ اوپر اٹھا دیا۔لمبی سی سیاہ دھار نیچے گرتی دکھائی دے رہی تھی۔تالیہ کی نظریں اس دھار پہ جم سی گئیں۔اندر ہی اندر کچھ ڈوب کے ابھرا تھا۔ابوالخیر کا بہترین غلام قہوے کو دھار کی صورت پیالے میں بھرا کرتا تھا۔

"اور جو ممالک نیوٹرل رہے۔۔۔انہوں نے کسی کا ساتھ نہ دیا۔۔ان کو تیسری دنیا کے ممالک کہا جاتا تھا۔" اس نے جگ رکھا اور مگ

اٹھائے کرسی تک واپس آیا۔ سیٹ سنبھالی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھا۔

"آج لوگ غلط العام انداز میں تیسری دنیا کے ممالک سے مراد غریب ترقی پذیر ممالک لیتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی تحقیر آمیز اصطلاح نہیں تھی۔ مگر اب لوگوں نے اس کا مطلب بدل دیا ہے۔ جیسا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں۔ آرٹ اور تاریخ کو کمرشل فائدے کے لیے استعمال کرنا الگ چیز ہے اور اس میں دلچسپی لے کر اس سے کچھ سیکھنا الگ۔" پھر گھونٹ بھر کے مگ میز پہ رکھا اور اسی جتاتی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"سیاسی سمجھ بوجھ رکھنے والوں کو سرد جنگ کے بلاکس کے بارے میں عموماً معلوم ہوا کرتا ہے مگر خیر۔۔۔ تم یہاں کام کرو گی تو سیکھ جاؤ گی۔" پھر اس کی فائل اس کی طرف دھکیلی۔ "تم سوموار سے جوائن کرسکتی ہو۔"

اس کی ساری کڑواہٹ کو پی کے وہ سپاٹ سا مسکرائی اور فائل لیے اٹھی۔

"سوموار بہترین رہے گا کیونکہ ویسے بھی مجھے ویک اینڈ پہ ملاکہ جانا ہے۔ اپنے نئے گھر کا جائزہ بھی تو لینا ہے۔" جتاتے ہوئے کہا تو اس نے لیپ ٹاپ کھول لیا اور عینک ناک پہ جمائے اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نہ خدا حافظ، نہ الوداع۔ بس بے رخی کافی تھی۔ اور وہ یہ پہلی دفعہ تھوڑی کر رہا تھا۔

مگر یہ طے تھا کہ تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے خود سے دہرایا تھا۔

" کیسا رہا انٹرویو؟" وہ آفس سے نکل کے کاریڈور تک آئی تھی کہ اشعر جو سامنے سے دو افراد کے ساتھ چلتا آرہا تھا، اسے دیکھ کے رکا اور مسکرا کے پوچھا۔

"توقع کے برخلاف، بہت اچھا۔" اس نے گہری سانس بھری۔ اسے واقعی امید نہ تھی کہ فاتح اتنی آسانی سے جاب دینے پہ راضی ہو جائے گا۔

اشعر کو الوداع کہہ کے وہ راہداری کے دہانے تک آئی تو کونے میں اس کی طرف پشت کیے کھڑے آدمی نے ایک دم رخ موڑا۔ تالیہ جو فائل سینے سے لگائے چلتی جارہی تھی، ٹھٹک کے رکی۔ پھر اس کا چہرہ دیکھ کے سُن رہ گئی۔

وہ سمیع تھا۔

ڈریس شرٹ پہنے وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا جتانے والے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ تالیہ نے فوراً اس طرف دیکھا جہاں سے وہ آئی تھی۔ وہاں اشعر ابھی تک کھڑا ان دو افراد سے کوئی بات کر رہا تھا۔ آگے پیچھے دوسرے لوگ بھی آجا رہے تھے۔

"اشعر صاحب سے میرا تعارف نہیں کرواؤ گی ڈیئر وائف؟" وہ گہری نظریں اس کے چہرے پہ جمائے ہوئے تھا جو ایک دم فق ہوا تھا۔ پھر وہ سنبھلی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"تم نے خود کہا تھا کہ میں ان کو سب بتا دوں۔ وہی بتانے آیا ہوں۔" بے نیازی بھری مسکراہٹ سے کہتا وہ اس کے ساتھ سے گزر کے

اشعر کی طرف بڑھا تو تالیہ جلدی سے بولی۔

"رکو۔ پلیز رکو، سمیع۔" وہ جیسے پریشانی کو چھپاتے ہوئے سوچ سوچ کے کہہ رہی تھی۔

سمیع رکا اور مسکرا کے پلٹا۔

"ادھر آؤ... یہاں بات کرتے ہیں۔" وہ تیزی سے ریسٹ رومز کی طرف بڑھی۔ سمیع پیچھے آیا۔

وہ ایک طویل ہال تھا جس میں سنک بنے تھے اور دوسری طرف باتھ رومز کے دروازے تھے۔ سمیع جیسے ہی اندر آیا' تالیہ نے دروازہ بند کیا اور غصے سے اس کی طرف گھومی۔

"تم میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"تم اب بھی مجھ سے ڈرتی ہو۔" وہ دونوں وہاں اکیلے تھے۔

"میں کسی سے نہیں ڈرتی۔" جواباً سمیع نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"تم جاب لینے آئی ہو یہاں، ہے نا؟ میں نے اشعر صاحب کی بات سن لی تھی۔ تم جتنی بہادر رہنے کی اداکاری کر لو، تم اپنے نئے آفس میں کوئی تماشہ نہیں بنانا چاہو گی۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"صرف اپنا اتنا سا حصہ!" دو انگلیوں کے درمیان ذرا سا خلا بنا کے دکھایا۔

"میرے پاس اتنا کیش ہے، نہ ہوتا ہے۔" وہ زچ ہوئی۔ "اور بینک سے میں تمہیں ایک پیسہ نہیں بھیجوں گی۔"

"ہاں ظاہر ہے سیاسی جماعت میں کام کرنے کے بعد تمہاری بینک ٹرانزیکشنز پہ کڑی نظر رہے گی۔ میں تمہیں مشکل میں تھوڑی ڈالوں گا تالیہ۔"

"سمجھ میں آ گیا نا تمہارے؟ اب میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"یہ بات وہ عورت کہہ رہی ہے جو صرف جاب انٹرویو پہ بھی لاکھوں کی جیولری پہن کے آئی ہے۔"

تالیہ بدک کے پیچھے ہٹی۔ اس کے ہاتھ خالی تھے مگر کانوں میں پہنے ائیر رنگز کے موٹے موٹے ہیرے جگمگا رہے تھے۔

"تم مجھے یہ ہیرے دے سکتی ہو۔" اس نے اس کے کانوں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ.... یہ نقلی ہیں۔ یہ سب زرقون ہیں۔" گردن کڑا کے بولی۔

"یہ سب اصلی ہیں اور یہ تو صرف پہلی قسط ہے۔ ائیر رنگز پلیز۔" وہ ہتھیلی پھیلائے کھڑا تھا۔

"اور یہ مت سمجھنا کہ میں ان کو بغیر رسید کے بیچ نہیں سکتا۔ میرے اتنے سنار جاننے والے ہیں کہ میں صرف ہیرے الگ کروا کے بیچ سکتا ہوں۔ اب میرا وقت ضائع مت کرو اور مجھے یہ ائیر رنگز دو۔"

''یہ پہلی اور آخری دفعہ ہے سمیع۔'' وہ بے بسی سے غرائی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے نوچنے والے انداز میں اپنے کانوں سے موٹے موٹے ہیروں والے ٹاپس اتارے اور اس کی مٹھی پہ پٹخے۔

''آئندہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ ورنہ تمہاری جان لے لوں گی۔''

سمیع نے روشنی میں اٹھا کے ان ہیروں کو دیکھا' پھر مسکرا کے سر کو خم دیا۔ ''شکریہ دوست۔''

اور انہیں جیب میں ڈالتا آگے بڑھ گیا۔ تالیہ زیر لب کچھ بڑبڑاتی رہی۔ اس کا چہرہ غصے سے دہک رہا تھا اور وہ سخت جھنجھلائی ہوئی لگتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ وہ رات اتری تو لان کی ساری بریاں جگمگا رہی تھیں۔ اندر لاؤنج میں عصرہ صوفے پہ بیٹھی' لیپ ٹاپ کھولے کام کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سادہ سی سرمئی میکسی میں ملبوس' کندھے پہ سیاہ اسٹول ڈالے' بالوں کو الجھے ہوئے جوڑے میں باندھے' پوری توجہ سے اسکرین پہ جھکی تھی جب جولیانہ روتی ہوئی بھاگتی آئی۔

''ماما.... ماما... سکندر نے مجھے مارا ہے۔'' لمبے بالوں والی بچی بھیگی آنکھیں ملتی تیزی سے اس کے گھٹنے سے آ لگی۔ عصرہ نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا اور اپنے گال پہ آئے بال پیچھے اڑسے۔

''کیوں؟''

''وہ گیم میں ہار رہا تھا تو اس نے میرا جوائے اسٹک چھین لیا اور مجھے مارا۔'' وہ بھاں بھاں کیے روئے جا رہی تھی۔

''سکندر!'' عصرہ نے اسکرین فولڈ کی اور پرسکون انداز میں زور سے آواز دی۔ سکندر تیوریاں چڑھائے خفا خفا سا باہر نکل آیا۔

''جی ماما؟''

عصرہ نے دو انگلیوں سے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سرخ چہرہ لئے سامنے آیا۔

''ماما... سکندر کو بھی ماریں جیسے اس نے مجھے مارا ہے۔'' اسے دیکھ کے وہ مزید زور سے رونا شروع ہوئی۔ سکندر نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا مگر خاموش رہا۔

''سکندر....'' وہ سنجیدہ سی سادگی سے گویا ہوئی۔ ''آپ نے ابھی کچھ غلط کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ غلط کیا تھا مگر کیا آپ کو معلوم ہے؟''

سکندر خاموش رہا۔

''آپ میرے کمرے میں جاؤ اور گیارہ منٹ تک سوچو کہ آپ نے کیا غلط کیا ہے' کیوں کیا ہے۔ پھر واپس آ کے مجھے اپنی reasons بتاؤ گے۔'' ساتھ ہی ابرو سے جانے کا اشارہ کیا۔ سکندر خفا خفا سا فوراً اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جولیانہ نے آنسو

پونچھتے خفگی سے اسے دیکھا۔

''اسے گیارہ منٹ کیوں دیئے ماما؟ مجھے ہمیشہ آٹھ منٹ ملتے ہیں۔''

''کیونکہ آپ آٹھ سال کی ہو اور وہ گیارہ سال کا۔ ہم جتنے بڑے ہو جاتے ہیں ہمیں اپنی غلطیوں پہ غور کرنے کے لئے اتنا زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔ اب آپ آنسو صاف کرو۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔ جولیانہ نے زبردستی آنسو صاف کیے اور منہ پھلا کے بیٹھ گئی۔ عصرہ نے فون اٹھایا اور نمبر ملا کے اسے کان سے لگایا۔

''کتنا سامان بچا ہے گیلری میں؟'' اب وہ اپنی سیکرٹری سے پوچھ رہی تھی۔

''بس چند ہی آئٹمز ہیں جو بک نہیں سکے۔''

''ان کو آن لائن سیل پہ لگا دو۔ مجھے اس سارے مال سے جان چھڑانی ہے بس۔''

وہ واقعی جان چھڑانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ ساتھ ہی کنپٹیوں کو دبایا۔ نیلامی کی سر دردی بالآخر ختم ہونے والی تھی۔

بات مکمل ہوئی تو سکندر باہر آتا دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ اب قدرے جھکا ہوا تھا۔ سرخی غائب تھی۔ وہ چپ چاپ اس کے دوسری طرف آ بیٹھا۔ درمیان میں ماں تھی... جولیانہ نے گردن نکال کے اس کا جائزہ لیا۔

''پھر آپ نے سوچا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تھا؟''

''جی۔'' اس نے جھکے سر کے ساتھ کہا۔ ''جولیانہ جیت رہی تھی تو مجھے غصہ آ گیا۔ یہ گیم میں نے اسے سکھائی تھی۔ میں اس میں جیتنا چاہتا تھا۔''

''تو آپ اسے جیتنے دیتے بعد اور میں نئی گیم شروع کر کے زیادہ اچھا کھیل کے اسے ہرا دیتے۔''

''وہ تو میں اسے ہرا ہی دوں گا۔'' ابرو اچکا کے بولا' پھر ماں کی شکل دیکھ کے چہرہ جھکایا۔ ''سوری ماما۔''

''جیتنے کے لئے دوسرے کو تکلیف دینا ضروری نہیں ہوتی' سکندر۔ میں آئندہ یہ نہ سنوں کہ آپ نے بہن پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔ آپ کو معلوم ہے رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی بچے پہ ہاتھ نہیں اٹھایا تھا؟ آپ مسلمان ہو۔ اور مسلمان ایسے کرتے ہیں کیا؟''

''مگر ماما۔ جولیانہ چیٹنگ بھی تو کر رہی تھی۔''

عصرہ نے چونک کے گردن گھمائی۔ جولیانہ یکدم پھیکی پڑ گئی۔

''سکندر سچ کہہ رہا ہے؟'' اس نے اسے گھورا۔ جولیانہ کے آنسو آ گئے۔

''میں صرف....''

''آٹھ منٹ' جولیانہ! صرف آٹھ منٹ!'' اس نے چٹکی بجا کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آنسو روکتی کمرے کی طرف بھاگی۔

سکندر نے گہری سانس بھری اور ذرا چوڑا ہو کے صوفے پہ بیٹھا۔ ''ماما....آپ اس کو سمجھایا کریں۔ یہ جھوٹ بھی بولنے لگی ہے اور چوری بھی کرتی ہے۔''

''کیا اس نے پہلے بھی ایسے کیا ہے؟'' وہ متفکر ہوئی۔

''جی ماما۔ یہ فرینڈ کی نوٹ بک کپڑوں میں چھپا کے لے آئی۔ میں نے دیکھ لی تو کہا کہ یہ غلط بات ہے۔ مگر ماما وہ آگے سے بدتمیزی سے بولی' ماما نے بھی تو ڈیڈ کے لاکر سے فائل نکال کے کپڑوں میں چھپائی تھی۔ ایسا کرنے سے گناہ نہیں ملتا۔''

عصرہ بنت محمود بالکل شل رہ گئی۔ دل دھڑکنا بھول گیا۔

''کیا بے کار بات کر رہے ہو' سکندر؟ میں نے کب کچھ چھپایا ہے؟'' پھر غصے سے اس کا چہرہ دہکا۔

''ماما مجھے پتہ ہے جولیانہ جھوٹ بول رہی ہے۔'' وہ فوراً بولا تو عصرہ نے تھوک نگلا۔

''اگر یہ بات آپ کے ڈیڈ کو معلوم ہوئی تو وہ آپ دونوں سے ناراض ہو جائیں گے۔ وعدہ کرو آپ یہ بات ان کو نہیں کہو گے۔ اگر وہ ناراض ہوئے تو گھر نہیں آئیں گے۔'' وہ گھبرا گئی تھی۔

''آف کورس ماما۔ میں نہیں بتاؤں گا۔'' اس نے جلدی سے ماں کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا۔ عصرہ کو ایک دم ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں اب جولیانہ کو الگ سے ڈانٹتی ہوں۔'' سکندر کو تسلی دلا کے وہ تیزی سے کمرے کی طرف آئی۔ جولیانہ بیڈ پہ بیٹھی سر ہاتھوں پہ گرائے ہوئے تھی۔ اسے دیکھ کے چونک کے گردن اٹھائی۔

''ماما ابھی تو فائیو منٹ ہوئے ہیں اور....''

''جولی۔'' عصرہ جلدی سے اس کے ساتھ بیٹھی اور نرمی سے اس کے بالوں کو سہلایا۔ ''آپ نے سکندر کو یہ کہا ہے کہ ماما نے ڈیڈ کی الماری سے کچھ چھپایا تھا؟''

جولیانہ نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ ''میں نے نہیں کہا۔''

''آپ جھوٹ بھی بولنے لگ گئی ہو' جولی۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی۔ پھر گہری سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔ ''مجھے تو نہیں یاد کہ میں نے کبھی کچھ کپڑوں میں چھپایا ہو۔''

''وہ اس رات.....میں نے دیکھا تھا۔'' اٹک اٹک کے بولی۔ عصرہ کے دل کی دھڑکن سست ہو گئی۔

''کیا؟ مجھے بتاؤ' میں نہیں ڈانٹوں گی۔''

''میں ڈیڈ کے باتھ روم میں تھی تب آپ آئی تھیں اور آپ نے....'' وہ رک رک کے بتا رہی تھی۔ ''کوئی فائل لاکر سے نکال کے کپڑوں میں چھپائی تھی۔ پھر آپ چلی گئی تھیں۔''

''اور آپ ڈیڈ کے باتھ روم میں کیا کر رہی تھیں؟ ایکچوئلی مجھے پتہ ہے۔ آپ ٹوتھ پیسٹ کھا رہی تھیں' ہے نا؟'' وہ ایک دم غصے سے بولی تو جولیانہ نے سہم کے سر جھکالیا۔

''آپ کے باتھ روم کی ٹوتھ پیسٹ میں چیک کرتی ہوں تو آپ نے سوچا' آپ ڈیڈ کی کھاؤ گی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا۔ بتاؤں میں ڈیڈ کو؟ بتاؤں؟''

''ماما سوری۔ آئندہ نہیں کروں گی۔''

''اگر آئندہ آپ نے ٹوتھ پیسٹ کو منہ میں ڈالا تو میں ڈیڈ کو بتادوں گی کہ آپ ان کی ٹوتھ پیسٹ کھاتی ہو۔ اس دن بھی مجھے پتہ تھا کہ آپ اندر ہو اسی لیے میں آئی مگر سوچا آپ کو خود احساس ہو جائے گا' اسی لیے میں اپنی چیزیں لے کر چلی گئی۔'' وہ اب بے ربط انداز میں کہتی اسی کو ڈانٹے جا رہی تھی۔ ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکی تھیں۔

جب وہ دونوں باہر نکلیں تو جولیانہ نارمل لگ رہی تھی اور عصرہ بھی سنبھلی ہوئی تھی۔ فاتح گھر آچکا تھا اور کچن سے آوازیں آرہی تھیں۔

وہ جولیانہ کا ہاتھ تھامے قدرے تعجب سے راہداری میں آگے بڑھتی گئی، یہاں تک کہ کچن کا کھلا دروازہ سامنے آیا تو اس نے چوکھٹ سے اندر جھانکا۔

کچن کھلا اور سفید ٹائلز سے آراستہ تھا۔ کاؤنٹر پہ سکندر بیٹھا تھا اور دوسرے کے ساتھ فاتح ٹیک لگائے' بازو سینے پہ لپیٹے کھڑا تھا۔ ٹائی ڈھیلی کیے' شرٹ کے کف موڑے' وہ تھکا تھکا لگتا تھا مگر مسکرا کے سکندر سے کچھ کہہ رہا تھا جب وہ اندر داخل ہوئی۔

''تم آج کچن میں کیسے؟''

فاتح نے نگاہیں پھیر کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔ ''بھوک لگی تھی۔ کھانا لینے آیا تھا۔''

کھانا ملازمہ نے ٹیبل پہ لگا تو دیا تھا'' عصرہ تعجب سے اندر آئی۔

''ڈیڈ کو کھانے کا ذائقہ نہیں پسند آرہا، ماما۔'' سکندر نے نوڈلز کے پیالے سے سر اٹھا کے اطلاع دی۔

''کھانا ہمیشہ صبوحی ہی بناتی ہے۔ آج کیا ہو گیا ہے اچانک؟''

''عجیب سا کھانا بناتی ہے وہ۔ میرے معدے میں جلن ہو رہی ہے۔'' وہ کندھے اچکا کے بولا تو عصرہ آگے آئی۔

''میں تمہیں کچھ اور بنا دیتی ہوں۔''

''ہاں شیور۔'' وہ بس مسکرا دیا۔ تکان کے باوجود موڈ اچھا لگ رہا تھا۔ جولیانہ شرماتی شرماتی باپ کے قریب آ کے کھڑی ہوئی۔ فریج سے پیکٹ نکالتی عصرہ نے انکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے لیے چلتا پھرتا ٹائم بم بن چکی تھی۔

''مجھے تم لوگوں سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔''

نوڈلز سوپ پیتے سکندر نے گردن موڑی۔ جولیانہ جو کیبنٹ سے ٹیک لگائے کھڑی اپنے لمبے بالوں سے کھیل رہی تھی' چہرہ اٹھا کے

دیکھنے لگی۔ عصرہ البتہ نیم رخ موڑے سلیب پہ قیمہ رکھ کے تیز تیز اس سے پیڑے نکالنے لگی۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

''میں نے پارٹی چیئر مین شپ کے لیے کاغذات جمع کروا دیے ہیں۔ دو ماہ بعد الیکشن ہے۔ سوموار سے ہم کمپئین شروع کریں گے۔''

''کیا پھر آپ پارٹی چیئر مین بن جائیں گے۔''

''کیا آپ پردھان منتری بن جائیں گے؟'' دونوں بچوں نے یکے بعد دیگرے سوال پوچھا۔ عصرہ کے ہاتھوں میں مزید تیزی آ گئی۔

''جب کوئی اسکول کی فٹ بال ٹیم میں شامل ہوتا ہے تو اس کا خواب ہوتا ہے کہ وہ بہترین پلئیر بنے۔ پھر وہ کیپٹن بنے، پھر وہ قومی لیول پہ کھیلے۔ اور آخر میں وہ قومی ٹیم کا کیپٹن بنے۔ جب کوئی فوج میں بھرتی ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ ایک دن وہ آرمی چیف بنے۔ اپنے ملک کی اعلیٰ ترین سطح پہ نمائندگی کرنے کا خواب دیکھنا بری بات نہیں ہے۔ ہر سیاستدان اعلیٰ ترین مقام پہ پہنچنا چاہتا ہے۔ اور میں......'' اس نے باری باری تینوں کو دیکھا۔ ''اس کے بہت قریب ہوں۔ تم لوگوں سے میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم میرا ساتھ دو۔''

بچے چپ ہو گئے۔ جولیانہ نے ماں کو دیکھا اور سکندر کا چہرہ جھک گیا۔

''جب بھی کیمپین شروع ہوتی ہے ڈیڈ، ہر طرف سے مسئلے شروع ہو جاتی ہیں۔'' اس کو ''مسئلوں'' کے علاوہ کوئی لفظ نہیں مل رہا تھا۔

''تم یہ یقین رکھو سکندر کہ تمہارا باپ ہر موقع پہ تمہاری حفاظت کرے گا اور......''

''جیسے آریانہ کی حفاظت کی تھی؟'' عصرہ نے ایک دم میٹ بال ڈش میں پٹخی اور اس کی طرف گھومی تو آنکھوں میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔ ''اور اگر میں آریانہ کو بھلا بھی دوں، تب بھی ہر کیمپئن کے شروع ہوتے ہی منفی مہم شروع ہو جاتی ہے۔ میرے بچوں سے رپورٹرز سوال پوچھتے ہیں۔ مجھے ہر جگہ مسکرا مسکرا کے لوگوں سے وعدے کرنے پڑتے ہیں۔ انٹرویوز، اخبارات... اور پھر آئے روز اخبارات میں تمہارے اوپر کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔ بچے اسکول جانے سے ڈرنے لگتے ہیں۔ تم گھر کی شکل دیکھنا بھول جاتے ہو۔ ہم تمہارے لیے ترس جاتے ہیں۔ اور اس ساری بھاگ دوڑ کے آخر میں فاتح بن رامزل تم ہار جاؤ گے تو کیا ہوگا؟ ہاں؟''

بولتے بولتے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

''اور اگر ہم جیت گئے تو؟'' وہ اتنا ہی پرسکون کھڑا تھا۔ عصرہ نے تاسف بھری نظر اس پہ ڈالی، پھر ڈش پرے کھسکائی اور پیر پٹختی وہاں سے نکل گئی۔

فاتح نے گہری سانس بھری اور خاموشی سے سنک تک گیا۔ ہاتھ دھوئے اور قیمے کی ڈش کو اپنے قریب کیا۔ پیڑہ اٹھایا اور اسے گول شکل دینے لگا۔ اس کے ہاتھ مہارت سے چل رہے تھے۔ ذہن عصرہ کی باتوں میں الجھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے پاستہ کے اوپر میٹ بالز پلیٹ میں سجائے میز پہ رکھ رہا تھا تو ٹوکری میں پڑی سبزیاں دیکھ کے چونکا۔

''پہلے خیال کیوں نہیں آیا۔'' ماتھے کو چھوا، پھر چھریوں کے اسٹینڈ کی طرف بڑھا۔ سب سے بڑا چھرا نکالا اور سلاد کی سبزیاں الگ کر کے کٹنگ بورڈ پہ رکھیں۔ اب وہ تیز تیز ہاتھ چلاتے ان کو کاٹ رہا تھا۔

سکندر آہستہ آہستہ سوپ پیتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ڈیڈ......آپ کو یہ کرنا آتا ہے۔''

''نہیں......لیکن تمہاری ماں ناراض ہو چکی ہے اور ملازم گھر جا چکے ہیں۔ خود ہی کرنا پڑے گا۔'' اس نے سلاد پلیٹ میں ڈالا اور جھک کے چمچ سے پاستہ کا ذائقہ چکھا۔ مگر چہرے پہ بدمزدگی پھیلی۔ ''بس گزارے لائق ہے۔''

اسے ذائقہ پسند نہیں آ رہا تھا۔ پرائیس کیے گئے پیکٹ والے کھانے' بے تاثیر بے سواد۔

معلوم نہیں کیوں مگر ذہن میں کوئی ''موازنہ'' سا تھا جس کے سامنے یہ کھانا بے کار لگ رہا تھا۔

اپنے کمرے میں عصرہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی اور ساتھ بیڈ پہ آڑی ترچھی لیٹی جولیا نہ کوئی کلرنگ بک کھولے' رنگ بھرتی' کہہ رہی تھی۔

''آج ڈیڈ خود کیوں کھانا بنا رہے ہیں؟ وہ تو پانی پینے بھی کچن میں نہیں آتے تھے اور آج کہہ رہے تھے مجھے پکتے سوپ کی مہک اچھی لگ رہی ہے۔ ماما......ڈیڈ ایسے کیوں ہو گئے ہیں۔'' پھر رک کے انگلیوں پہ کچھ گنا۔ ''آپ ان سے ناراض ہیں تو کیا آپ ان کو فورٹی ایٹ منٹس دیں گی؟''

''مجھے تنگ مت کرو' جولی۔'' ناگواری سے کہتے اس نے کروٹ بدل لی۔ ایک آنسو آنکھ سے گرا اور تکیے میں جذب ہو گیا۔

(ساری اداکاری تھی فیملی مین بننے کی تاکہ وہ لوگ یقین کرلیں کہ اس کو ان کی پرواہ ہے۔ ہونہہ۔)

عصرہ کے اندازے لامحدود تھے۔

☆☆===============☆☆

یونیورسٹی میں اکثر کلاسز ختم ہو چکی تھیں اس لیے طلباء طالبات کا جمِ غفیر گیٹ سے باہر نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ پارکنگ میں حسبِ معمول بے حد رش تھا اور سب اپنے اپنے بیگز اٹھائے اپنی مطلوبہ سواری کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اسکارف' اسکرٹ' باجو کرنگ' مغربی لباس غرض ہر طرح کا لباس پہنے لڑکیاں باہر آتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسے میں ایک پھولدار اسکارف والی لڑکی بیگ کندھے پہ ڈالے' موبائل کے بٹن دباتی سڑک کراس کرنے لگی تو عقب سے آواز آئی۔

''فاطمہ!''

وہ چونک کے گھومی۔ پھر اس نے نوجوان کو وہاں کھڑے دیکھ کر تعجب سے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''ایڈم۔ تم؟ ادھر؟'' وہ حیران رہ گئی تھی۔ دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے دیکھا۔ وہ واقعی ایڈم ہی تھا۔ چھوٹے بالوں اور نکھری رنگت والا ایڈم۔ سیاہ پینٹ پہ سفید ٹی شرٹ پہنے سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''فاطمہ......ہم بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟''

''ہاں...ادھر آ جاؤ۔''فاطمہ سنجیدگی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

دونوں فٹ پاتھ پہ چلتے بس اسٹینڈ تک آئے جہاں چھپر تلے بینچ رکھا تھا۔فاطمہ قدرے تکلف سے ادھر بیٹھی' درمیان میں کتابیں اور بیگ رکھا اور ہاتھ سے اسے کتابوں کے اس طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ سر جھکائے متانت سے بیٹھ گیا۔

''تم خیریت سے آئے ہو؟''پھر جیسے یاد آیا۔''تمہارا تحفہ مل گیا تھا مجھے۔شکریہ اس کے لئے۔''

ایڈم بن محمد نے گہری سانس لی۔چار ماہ پہلے بھیجا گیا تحفہ اسے یاد بھی نہ تھا۔بلکہ...ایک ہفتہ قبل بھیجا گیا تحفہ (دل ہی دل میں اپنی تصحیح کی) جس کے لیے اس نے عصرہ اور تالیہ دونوں سے مشورہ مانگا تھا۔تب اس کے مسئلے محدود تھے۔اور اب تو زمانہ ہی بدل چکا تھا۔وہ وقت اور وہ احساسات دونوں ہی گم گشتہ سے لگتے تھے۔پرانے اور فراموش کردہ۔

''فاطمہ...میں ہماری شادی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''سنو ایڈم!''وہ بات کاٹ کے بولی تو ایڈم نے دیکھا۔پھولدار اسکارف کے ہالے میں مقید اس کے چہرے پہ خفگی تھی۔وہ خوش شکل اور صاف رنگت والی پر اعتماد مگر سنجیدہ سی لڑکی تھی اور اس وقت وہ تکلف سے بیٹھی نظر آتی تھی۔

''میں کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔تمہارا اور میرا رشتہ ارینج طریقے سے ہوا تھا تب تم فوج میں تھے۔میں کتنے عرصے سے تمہارے نام پہ بیٹھی ہوں۔تم نے فوج چھوڑ دی' پھر تمہیں کوئی نوکری نہیں ملی۔وان فاتح کی نوکری بھی تم سے مستقل نہ ہو سکی....''

''وہ تو صرف چند دن کی تھی۔''مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''اب تم بتاؤ میرے والدین کیسے تمہارے ساتھ میری شادی کر دیں؟ایڈم جب تک ان کو کوئی فنانشل سیکیورٹی نہیں ملے گی' وہ شادی نہیں کریں گے۔اب خالہ بتا رہی تھیں کہ تم ایک دم سے لکھنے لکھانے کی طرف چلے گئے ہو۔ایڈم یہ کیا ہے؟''

ایڈم کے رخسار گلابی ہوئے۔(یہ ایبو بھی نا!)

''وہ الگ بات ہے' فاطمہ۔میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ انکل اگر مجھے تھوڑا وقت دے دیں' بس چند ماہ تو میں کچھ نہ کچھ کر لوں گا۔بس وہ یہ دو ہفتے کے اندر اندر اسٹیبلیش ہونے کی شرط چھوڑ دیں۔تم خود بتاؤ فاطمہ دو ہفتے کے اندر میں کیسے امیر ہو سکتا ہوں۔''وہ روہانسا ہوا۔

''تو چند ماہ میں کیسے ہو گے؟''

ایڈم چپ ہوا۔تھوک نگلا۔''مجھے امید ہے کسی طرف سے۔بس یہ سمجھو بہت جلد میرے پاس پیسہ آ جائے گا۔''(خزانہ نکالنے کے بعد بیچنے میں بھی وقت لگنا تھا۔)

''بغیر محنت کے؟بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے؟''وہ طنز سے بولی۔''اس طرح اچانک سے کیا تمہارے باغیچے سے تیل کا کنواں نکلے گا یا صحن میں خزانہ دفن ہوا ملے گا؟''

بس زور سے ہارن بجاتی سائیڈ سے گزری اور ایڈم بھی اندر تک ہل گیا۔نظریں چرا لیں۔

''بالفرض میرے گھر کی زمین سے خزانہ نکل آئے تو کیا تب تم مجھ سے شادی کرلوگی؟''

''نکل بھی آیا تو کون سا تمہارا ہوگا؟'' وہ سر جھٹک کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''ایڈم تم کوئی اچھی نوکری ڈھونڈ و اور اگر ایسا نہ ہوا تو یقین رکھو بابا یہ رشتہ ختم کر دیں گے۔ میں پہلے ہی ماما بابا کی پریشانی دیکھ کے ڈسٹرب ہوں۔''

''فاطمہ فاطمہ....'' وہ ملتجی انداز میں کھڑا ہوا۔ ''پلیز تم میرا یقین رکھو۔ میں محنت کروں گا اور کوشش بھی اور....'' یکدم وہ ٹھہرا اور ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگا۔ اطراف سے گاڑیاں ہارن بجاتی زن سے گزر رہی تھیں مگر ایڈم بن محمد بالکل گم صم ہو گیا تھا۔

''کیا کہا تم نے؟''

''بابا یہ رشتہ ختم کر دیں گے ایڈم۔''

''نہیں اس سے پہلے.... تم نے کہا خزانہ نکل بھی آیا تو میرا نہیں ہوگا۔ کیوں؟'' وہ جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔ پانچ سو ستاون سال قدیم خواب سے.... ''کیوں نہیں ہوگا وہ میرا؟''

''وہ تو میں روانی میں کہہ گئی۔ یہ کتابیں پڑھ پڑھ کے دماغ خشک ہو جاتا ہے۔'' اس نے سر جھٹکا اور بنچ سے اپنی قانون کی موٹی سیاہ کتابیں اٹھائیں۔ ایڈم یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ نے چیزیں سمیٹ کے اس کو دیکھا تو وہ اسی طرح حیران اور گم صم سا کھڑا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

''Treasure trove Act 1995... تمہیں نہیں معلوم ایڈم؟''

اور ایڈم بن محمد کے سارے خواب کسی ایسے ہیرے کی طرح چکنا چور ہوئے جس کو آسمان سے زمین پہ پھینکا جائے اور اس کی چمکتی کرچیاں دور دور تک پھیل جائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حالم کے بنگلے پہ اندھیرا پھیلا تھا۔ پورچ کی بتی آج پھر بجھی تھی۔ داتن اندر آئی تو پہلے پورچ روشن کیا پھر لاؤنج کی بتیاں جلائیں۔ تالیہ وہاں نہیں تھی۔ تہہ خانے کی طرف جاتا دروازہ کھلا تھا اور وہاں سے روشنی آ رہی تھی۔ داتن نے گروسری کے تھیلے وہیں رکھے اور برہمی سے ماتھے پہ بل ڈالے زینوں کی طرف آئی۔

''تم نے لاپرواہی کی حد کر دی۔ دروازہ کھول کے بیٹھی ہو.... اتنا قیمتی سامان رکھا ہے یہاں اور....'' داتن زینے دھپ دھپ اترتی نیچے آئی اور اس پہ چڑھ دوڑی جو فرش پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ اور اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹکی۔

بے یقینی سے گردن چاروں طرف موڑی۔

وہاں بنے سیف کے مختلف دروازے کھلے تھے اور وہ اندر سے خالی تھے۔ پینٹنگز کے کارٹن بھی غائب تھے اور خالی ڈبے اور کھڑکی کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھرے تھے۔ داتن پدوکا نے دہل کے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

"وہ خوف تھا۔"

"تالیہ!" داتن نے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ پھر اسے فکر ہوئی" تمہیں کیا ہوا ہے؟اور یہ سب کہاں گیا ہے؟"

"اگر اب میں سوچوں تو وہ خوف تھا۔ بچپن میں ... "..وہ اس کو دیکھتی اپنی رو میں کہہ رہی تھی۔ شاید داتن کے چہرے کی لکیروں میں اپنی زندگی کی فلم چلتی دیکھ رہی تھی۔"اور وہ لالچ بھی تھا اور جبر بھی۔ کون سا جذبہ پہلے آیا، مجھے نہیں یاد۔ لیکن جب یتیم خانے اور بعد میں میرے فوسٹر پیرنٹس کے گھر مجھے جبر سے دبایا جاتا، خواہشات کو پورا کرنے سے روکا جاتا ... تو میں چوری کرنے پر مجبور ہو جاتی۔ پھر وہ عادت بن گئی۔ چرا لینا اور پوچھے جانے پہ جھوٹ بول دینا۔ لیکن اب اگر سوچوں تو حاوی ترین جذبہ خوف ہوتا تھا"۔

"تالیہ....تم ٹھیک ہو؟" داتن اس سے لمحے بھر کے لیے بھی نظریں ہٹائے بغیر کرسی کھینچتی قریب آئی اور بیٹھی۔

"میں ہمیشہ خوفزدہ رہی ہوں۔ یہ ڈر کہ میری بات سنی نہیں جائے گی یا مجھے ڈانٹ کے خاموش کرا دیا جائے گا، مجھ سے جھوٹ بلواتا رہا۔ اور جب ڈر ختم ہو گیا تو یہ ان سیکیورٹی پیدا ہو گئی کہ اگر میں من گھڑت باتیں نہیں کہوں گی تو مجھے کچھ نہیں ملے گا۔ لوگ مجھے میرے سچ کے ساتھ قبول نہیں کریں گے۔ میں ہمیشہ خوف کے زیرِ اثر رہی ہوں داتن۔ میں کبھی بہادری سے اپنے اصل کا سامنا نہیں کر سکی۔" الجھی بکھری سنہری لٹیں اس کے گالوں پہ جھول رہی تھیں اور وہ دیوار کو دیکھتی بے خودی بولے جا رہی تھی۔

"لیکن پھر میں ایسے انسان سے ملی جس نے مجھے سکھایا کہ انسان کی سب سے بڑی خوبی اس کی سچائی اور امانت داری ہوتی ہے۔ جو لوگ سچے ہوتے ہیں وہ اپنی نظروں میں باعزت ہوتے ہیں۔ اپنے قول کے پکے ہوتے ہیں۔ ان کے سارے خوف دور ہو جاتے ہیں۔ وہ سر اٹھا کے جی سکتے ہیں۔ صرف وہی ہوتے ہیں بہادر اور میں نے سوچا کہ میں بھی ایسی بننا چاہتی ہوں۔"

"تالیہ؟" داتن اسے تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

" مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔" تالیہ اداسی سے مسکرائی" پہلے اپنے سارے جھوٹوں کی سزا ملنا تھی۔ پہلے کفارے ادا ہونے تھے۔ میرے ساتھ زندگی نے ہی جھوٹ بول دیا، داتن!" اس کی گم صم آنکھیں پانی سے چمکیں" مجھے کچھ اور دکھا کے کچھ اور عطا کر دیا۔ مجھے اتنا نا قابلِ اعتبار بنا دیا کہ اگر میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہوں تو بھی کوئی یقین نہیں کرے گا۔"

"تالیہ ... کیا ہوا ہے؟"

" مگر اب نہیں، داتن!" اس نے آنکھیں پوروں سے رگڑیں۔" اب میں اس خوف کے ساتھ نہیں جیوں گی۔ اب میں بھی ایڈم کی طرح سچ بولنا چاہتی ہوں اور وان فاتح کی طرح اپنے قول کو سچا بنانا چاہتی ہوں۔ میں نے بہت سے قانون توڑے ہیں اب مزید نہیں توڑوں گی۔ یہ سب..." اطراف میں نظر دوڑائی۔" یہ سب میرا نہیں تھا۔ یہ سب دوسرے لوگوں اور میوزیمز کا تھا۔ میں نے ایک ایک چیز واپس کر دی ہے۔ جیسے چرانا آتا ہے ویسے ہی گمنام طریقے سے لوٹانا بھی آتا ہے"۔

داتن نے دہل کے پھر سے سینے پہ ہاتھ رکھا۔" تالیہ ...نہ کرو ...وہ سب..."

"اور جو کچھ میں خرچ کر چکی ہوں"...وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔"اس کا میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میں امید کرتی ہوں کہ میری ایمانداری کے باعث اللہ تعالی اور پھر وہ لوگ جن سے میں نے وہ چیزیں چرائی تھیں، مجھے معاف کر دیں گے۔"

"اب کیا ہوگا تالیہ؟ تم کہاں سے کھاؤ گی؟ کیا کماؤ گی؟" داتن نے دل کے سینے پہ ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور بال کان کے پیچھے اڑسے۔

"میں نے جاب ڈھونڈ لی ہے۔اور میرے پاس بہت ساز یور بھی ہے۔جو واقعی میرا ہے۔اور مجھے ایک اور جگہ سے بھی امید ہے۔" اس کے ذہن میں سن باؤ کا صحن گھوما۔"ہاں مجھے ابھی بھی بہت سارا پیسہ حاصل کرنے کا شوق ہے لیکن اب میں صرف اس پیسے کو قبول کروں گی جو واقعی میرا ہوگا۔"

پھر نم آنکھوں سے مسکرائی تو داتن نے دیکھا، اس کی ناک سرخ پڑ رہی تھی۔

"رہی تم تو میں تمہیں یہ کام چھوڑنے پہ مجبور نہیں کروں گی۔تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو۔ میں اور تم ہمیشہ دوست رہیں گے۔"

داتن نے ملال سے اس خالی خالی سے کمرے کو دیکھا۔"ایسا کیا ہوا ہے چار دن میں جو تم اتنی بدل گئی ہو تالیہ؟"

"مجھے وان فاتح سے محبت ہوگئی ہے داتن" زخمی سا وہ مسکرائی اور کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ داتن سانس روک کے اسے دیکھے گئی۔ پھر کہنے کی کوشش کی۔

"اسی فیصد لوگوں کو ہر چھے ماہ بعد نیا کرش ہو جاتا ہے اور وہ چار ماہ میں اتر بھی جاتا ہے مگر......"

"تم نہیں سمجھو گی، داتن!" وہ مسکراتے ہوئے بولی پھر ایڑیوں پہ گول گول گھوم گئی۔ خالی کمرا بہت کھلا کھلا سا لگ رہا تھا۔

"میں نے یہ سب واپس کر دیا ہے، پھر بھی میرا دل ہلکا کیوں نہیں ہوا؟" اس نے سوچا تھا۔ تبھی موبائل بجا تو تالیہ نے اسے نکال کے دیکھا۔

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟" ایڈم کا پیغام وہاں جگمگا رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

ایڈم ریستوران کی آخری میز پہ بیٹھا بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ تالیہ جیسے ہی دروازے سے اندر داخل ہوتی دکھائی دی، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ ہشاش بشاش اور تازہ دم لگتی تھی۔ سادہ باجو کرنگ پہنے، بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے، سر پہ ترچھی ہیٹ جمائے، مسکراتی ہوئی اس کے سامنے آئی اور کرسی سنبھالی۔ پھر کہنیاں میز پر رکھیں اور پھر چمکتی آنکھوں میں شرارت بھرے اسے دیکھا۔

"میں نے سارا "ادھار شدہ" مال اصل مالکوں کو واپس کر دیا ہے۔" فاتحانہ انداز میں بولی تو ایڈم پھیکا سا مسکرایا۔

"گڈ۔"

''صرف گڈ؟ ارے اس پہ تو تمہیں اپنی شہزادی کی شان میں ایک قصیدہ لکھنا چاہیئے تھا۔''

''پے تالیہ......'' وہ دھیما سا بولا۔ چہرہ بجھا بجھا سا لگتا تھا اور اداس نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔ ''سن باؤ کا خزانہ......''

''ہاں وہی بتانے لگی تھی۔'' وہ جوش سے آگے کو جھکی۔ ''فاتح صاحب نے گھر میرے حوالے کر دیا ہے۔ کل صبح ہم ملاکہ جائیں گے۔ میں نے کھدائی کا سامان خرید لیا ہے۔ ہمیں احتیاط سے کھدائی کرنی ہے تاکہ خزانہ نکال کے ہم کوئی نشان چھوڑے بغیر صحن کو برابر کر دیں اور......''

''پے تالیہ وہ خزانہ ہمارا نہیں ہے۔''

ایک دم سے جیسے سارے شہر میں سناٹا چھا گیا۔ تالیہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''کیا؟'' اسے واقعی سمجھ نہیں آیا تھا۔

وہ خزانہ ہم نہیں لے سکتے۔''

تالیہ نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ پھر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ لوگ اپنی اپنی میزوں پہ کھانے پینے میں مگن تھے، کوئی اس طرف متوجہ نہ تھا۔

''کیوں؟ وہ ہمارا ہے۔ ہم نے دبایا ہے۔''

''مگر پچھلے صدیوں تک اس کی حفاظت ہم نے نہیں ''زمین'' نے کی ہے۔ اسے امانت کی طرح اپنے اندر ہم نے نہیں ''زمین'' نے چھپایا ہے۔''

''تو؟''

''تو یہ کہ ''زمین'' سرکاری ہوتی ہے۔''

وہ بالکل سن رہ گئی۔ ساکت' مجسم۔ ارد گرد پھرتے لوگوں کے ہجوم میں بھی اسے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

''Treaure trove act کے تحت ملائیشیا کی زمین سے کوئی بھی چھپا ہوا خزانہ ڈھونڈنے پہ شہری کا فرض ہے کہ وہ اسے حکومت کے حوالے کر دے کیونکہ زمین میں چھپے خزانے سرکاری ملکیت ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس کی اطلاع حکومت کو نہیں دیں گے تو ہم مجرم ہوں گے اور پولیس ہمیں گرفتار کر سکتی ہے۔ خزانہ چھپانے پہ بھاری جرمانہ اور قید کی سزا ہے۔''

''وہ خزانہ......'' وہ ایک دم غرائی' پھر آواز مدہم کی۔ ''وہ خزانہ ہمارا ہے۔ جائز اور حلال۔ وہ حکومت کا نہیں ہے۔''

''وہ صرف اسی صورت میں ہمارا ہو سکتا تھا اگر اس پہ 50 سال سے کم عرصہ گزرا ہو یا اس کو ہمارے آباؤ اجداد نے دفنایا ہو اور ہم اس پہ کلیم کر سکیں۔ مگر ہم کلیم ثابت نہیں کر سکتے۔ قانوناً وہ ہمارا نہیں ہے۔''

''میری بات کان کھول کے سنو' ایڈم!'' وہ میز پہ زور سے ہاتھ مار کے بولی۔ ''میں نے سارا لوٹا مال واپس کر دیا کیونکہ وہ میرا نہیں تھا۔ میں نے پھر سے زندگی شروع کی۔ جاب ڈھونڈی۔ ایک نیلامی پہ ان سے جھوٹ بولا تھا تو وہ ناراض ہو گئے تھے۔ اس نیلامی پہ ان سے

سچ بولا۔اب میں زمین کو سونپی اپنی امانت واپس لینے آئی ہوں تو تم کہہ رہے ہو کہ میں اسے چھوڑ دوں؟ غلط۔میں نہیں مانتی ایسے قانون کو۔مجھے اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ خزانہ ہمارا ہے اور جائز ہے تو ہم کس طرح اس کو چھوڑ دیں؟''

''مجھے بھی اس کی اتنی ضرورت ہے جتنی آپ کو لیکن میں قانون نہیں توڑوں گا۔البتہ میں آپ کو منع بھی نہیں کروں گا نہ میں کسی کو بتاؤں گا۔آپ خزانہ نکال لیں....بیچ دیں....جو بھی کریں،آپ یہ سب اپنے لیے کریں گی۔مگر ایک فیصلہ آپ کو ابھی سے کرنا ہے۔کیا آپ واقعی ایماندار بننے جارہی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو آپ کو ملک کے قانون کا احترام کرنا ہوگا۔اور اگر آپ یہ نہیں کرتیں تو کیا آپ خود اپنے وعدوں پہ یقین کر پائیں گی۔''

''وہ خزانہ میرا ہے۔''وہ دونوں ہتھیلیاں میز پہ جمائے اٹھی اور اس کی طرف جھک کے غرائی۔''تم....تمہارے اصول....تمہارے قانون....تم سب جہنم میں جاؤ۔مجھ سے میری زندگی لے لی گئی۔مجھ سے فاتح کو لے لیا گیا۔میرا باپ وقت کی چابی نے مجھ سے دور کر دیا..میرا آخری رشتہ تھا وہ اور وہ بھی مجھ سے چھن گیا (غصے سے منہ سے نکلا)۔میں پہلے ہی اپنی بیشتر دولت دے چکی ہوں۔اور اب میں اپنا جائز خزانہ بھی دے دوں؟ ہرگز نہیں۔''اس کا رنگ شدت جذبات سے سرخ پڑ چکا تھا۔

''میں نے کہا نا...آپ اپنے فیصلوں میں آزاد ہیں۔فتویٰ بہت سی چیزوں کی اجازت دے دیتا ہے لیکن جس دین کو میں مانتا ہوں اس میں تقویٰ انسان کو بہت سے غیر ضروری بوجھ سے بچا بھی لیتا ہے۔میں اپنے ضمیر پہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔''وہ سادگی مگر اداسی سے کہہ رہا تھا۔اس کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں۔تالیہ نے ایک غصیلی نظر اس پہ ڈالی پرس دبوچ کے اٹھایا اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

ایڈم نے اسے دکھی دل کے ساتھ جاتے دیکھا۔ملال اور درد بہت تھا مگر ایک بات طے تھی کہ آدم بن محمد کا سر جھکا ہوا نہیں تھا۔

ہر بوجھ سے آزاد۔

☆☆=============☆☆

اتوار کی صبح اشعر محمود کے قلعہ نما گھر کے لان میں ہرن دھوپ سینکتے دکھائی دے رہے تھے۔صبح خوب بارش ہوئی تھی۔سارا لان نہا دھو کے نکھر نکھر گیا تھا۔اب چانک سے دھوپ نکل آئی تو ہرن گھاس پہ سست سے لیٹ گئے تھے۔

لان کے وسط میں لکڑی کی سیڑھیاں بنی تھیں جو اوپر ایک کینوپی تک جاتی تھیں۔مخروطی چھت والی کینوپی کے اندر لکڑی کے بینچ آمنے سامنے رکھے تھے۔اشعر ایک بینچ پہ براجمان،پیر قینچی صورت میز پہ رکھے ہوئے تھا۔جینز کے اوپر ٹی شرٹ پہنے،بالوں کو عام دنوں کے برعکس ماتھے پہ بکھیرے وہ اخبار سامنے پھیلائے ہوئے تھا۔

''ایش!'' اس نے زینے چڑھنے کی آواز سن لی پھر بھی اخبار پڑھتا رہا۔جب عصرہ سامنے آکھڑی ہوئی تو اشعر نے اخبار کا کونا موڑا اور سپاٹ سے نظروں سے اسے دیکھا۔

''اتنی صبح؟ خیریت؟''انداز سرد تھا۔

''مجھے بات کرنی تھی۔''عصرہ شدید پریشان نظر آتی تھی۔ اسکرٹ کے اوپر کندھوں کے گرد سادہ شال لپیٹے' وہ میک اپ سے خالی چہرہ لیے' بال باندھے یوں دکھائی دے رہی تھی گویا ابھی نیند سے اٹھ کے آئی ہو۔

''فاتح نے کاغذات جمع کروا دیے...میں جانتی ہوں اس بات پہ تم مجھ سے ناراض ہو لیکن اس روز گھائل غزال والی مدد کے بدلے میں اس نے کہا تھا کہ...''

''آپ نے عظیم طاعون کے بارے میں سن رکھا ہے' کاکا؟''تلخی سے اخبار لپیٹتے ہوئے اس نے عصرہ کو دیکھا۔

''اب تم فاتح کی طرح باتیں مت کرو۔''وہ خفگی سے کہتی سامنے بیٹھی مگر اشعر نے بات نہیں سنی۔ اخبار میز پر ڈالتے ہوئے بولا

''اور آپ نے وہ نظم سنی ہے Ring-a-Ring-a-roses؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ نظم یورپ کے عظیم طاعون کے بارے میں تھی' جب لاکھوں لوگ طاعون سے مر گئے تھے۔ ان کو سرخ دانے نکلتے تھے۔ جو سرخ دائروں کی صورت نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ اور ہاں......طاعون کے مریض جیب میں poises(پھول) اٹھا کے پھرتے تھے تاکہ خوشبو بیماری کی بو کو ڈھانک دے اور شفا دے۔ ان کے جسم سیاہ پڑ جاتے اور طاعون کے مریضوں کے مرنے کے بعد ان کی لاشیں اور ان کے گھر جلا دیے جاتے۔ یعنی آخر میں......''وہ آگے ہوا اور پھر چبھتی نظروں سے عصرہ کو دیکھا۔''آخر میں وہ سب مر جاتے تھے۔''

پھر اس نے آہستہ سے نظم پڑھی۔

Ring around the rosies

(سرخ پھول جیسے دانے کے گرد دائرہ)

A pocket full of posies

(پھولوں کا چھوٹا سا گلدستہ جیب میں ہے)

Ashes Ashes

(راکھ......راکھ)

We all fall down

(اور ہم سب ڈھاتے چلے گئے)

اس نے آخری الفاظ اتنے سرد انداز میں ادا کیے عصرہ نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''اشعر پلیز میری بات سنو۔''

''وان فاتح کیا سمجھتے ہیں؟ اگر وہ چیئر مین شپ کی لیے کاغذات جمع کرائیں گے یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کہہ چکا ہوں' یہ سیٹ میری ہے' تو وہ کامیاب ہو جائیں گے؟ نہیں کاکا۔ ہم سب راکھ کا ڈھیر بن کے ایک ساتھ ڈھے جائیں گے۔''

''میں نے بہت کوشش کی ہے اشعر لیکن وہ نہیں مانتا۔ اس نے آخر میں اپنی مرضی ہی کرنی ہوتی ہے۔''

''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ چیئر مین میں بنوں گا۔ آپ نے کہا تھا کہ آ بنگ سیاست سے کنارہ کش ہو کے مجھے endorse کریں گے لیکن کل میں نے سنا کہ وہ الیکشن لڑ رہے ہیں۔ واہ 'کا کا۔ واہ۔'' ناگواری بھرے غصے سے کہتا وہ گردن موڑے گھاس کو دیکھنے لگا۔ وہ سخت ناراض لگتا تھا۔

''اگر وہ گھائل غزال والا معاملہ نہ ہوتا تو......'' عصرہ بے بسی سے بولی، پھر سر جھٹکا۔ ''مگر نہیں۔ وہ تب بھی میری نہ مانتا۔ اسے اپنی ہی کرنی ہوتی ہے۔ اور اب تو وہ عجیب سا ہو گیا ہے۔ بے نیاز سا۔ جب سے وہ ملاکہ سے واپس آیا ہے بدلا بدلا لگتا ہے۔''

اشعر نے چونک کے اسے دیکھا پھر تعجب سے ابرو اٹھایا۔ ''کیا بدلا ہوا لگتا ہے؟ مجھے تو ویسے ہی لگے ہیں۔ سوائے آنکھ کے زخم کے۔''

''تم اس کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہتے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ اسے سمجھنا کتنا مشکل ہے۔'' وہ پھٹ پڑی۔ پھر کنپٹی پہ ہاتھ رکھا۔ ''اشعر...... میں مزید کوشش نہیں کر سکتی۔ میں تھک گئی ہوں۔ تم لوگوں کے مسئلے ختم نہیں ہوئے تھے کہ نیلامی والا مسئلہ آ گیا۔ میرے ساتھ ایسا کون کر سکتا ہے؟ تم نے پتہ کروایا؟''

''کروا دوں گا۔ میرے اپنے کام پھنسے پڑے ہیں ابھی۔'' اس نے بے زاری سے چہرہ دوبارہ موڑ لیا۔ عصرہ نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

''فاتح نے کاغذات نامزدگی کیا جمع کروائے تم نے تو نظریں ہی پھیر لیں ایش۔ تم بھول گئے ہو میں نے تمہارے لیے اس کی فائل تک چرائی۔ اب اور کیا کروں میں؟''

''کا کا میرے سر میں درد ہے، میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ رکھائی سے کہہ کے اٹھا میز پہ رکھا موبائل اٹھایا اور لکڑی کے زینے اترنے لگا۔ ہر قدم کے ساتھ لکڑی کے چٹخنے کی آواز آتی تھی۔ عصرہ بے بسی بھرے غصے سے کھڑی ہوئی۔

''میں کیا کروں مزید ایش؟ میں تھک گئی ہوں۔''

اشعر جواب دیے بنا لان پہ اترا اور آگے چلتا گیا۔ اس کے ابرو تنے ہوئے تھے اور چہرے پہ برہمی تھی۔ اس نے نیلامی کے اسکینڈل کی تیاری کب سے کر رکھی تھی۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اگر اسکینڈل نہ بن سکا تو وہ عصرہ سے کیسا رویہ رکھے گا؟ اس بارے میں اس کے ذہن میں کوئی اسکرپٹ تیار نہ تھا۔ فی الوقت وہ عصرہ اور فاتح کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

☆☆===============☆☆

حالم کے بنگلے کو بھی بارش نے دھو ڈالا تھا۔ کھڑکیوں پہ قطرے جم گئے تھے مگر دھوپ نکلی تو وہ سوکھتے گئے۔ تالیہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ زمین پہ بیٹھی تھی۔ شیشے سے چہرہ ٹکا رکھا تھا اور نظریں باہر جمی تھیں۔ رات والے سلیپنگ سوٹ میں ملبوس وہ ویران ویران سی لگ رہی تھی۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور داتن سنجیدہ چہرہ بنائے اندر داخل ہوئی۔ ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی جو اس نے تالیہ کے قدموں کے پاس رکھی اور پھر اپنا بھاری بھرکم سراپا سنبھالتی بیڈ کے کنارے جا بیٹھی۔ اب وہ تالیہ سے دو فٹ کے فاصلے پہ تھی۔

''اگر اپنے سارے مال و دولت کو گنوانا تمہیں اتنا تکلیف دے رہا ہے تو تم نے ایسا کیا کیوں؟'' اس نے تھکی تھکی سی تالیہ کا پژمردہ چہرہ دیکھا جو گال شیشے سے ٹکائے باہر جھانک رہی تھی۔

''میں دو دنیاؤں کے درمیان پھنس گئی ہوں، داتن۔'' اس کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔

''تالیہ ہم اچھے دوست رہے ہیں مگر اب تم راستہ بدلنا چاہتی ہو۔ تمہیں نئے نیک دوست مل گئے ہیں اور اب تمہیں پرانے دوست گناہگار اور بھٹکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اچھا ٹھیک ہے۔ پرانے دوست برے سہی اور نئے بہت اچھے سہی، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم پرانے دوست سے اب دل کی بات نہیں کہہ سکتی۔''

تالیہ نے نظریں موڑیں تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ''پرانے دوستوں جیسی میں رہنا نہیں چاہتی..... مگر نئے دوست اخلاق اور کردار میں اتنے اعلیٰ ہیں کہ ان تک میں نہیں پہنچ سکتی۔ میں کیا کروں، داتن؟''

''تم میرے جیسی کبھی نہیں تھیں۔ میں تنگو کامل کی بیوی کے سارے زیور چرانا چاہتی تھی مگر تم نے کہا کہ اس کا تاج (تیارا) چھوڑ دوں، وہ اس کی ماں کی نشانی ہے۔ تم دھوکہ دہی اور جھوٹ کی اس دنیا میں بھی دل دکھانے سے ڈرتی تھیں۔ تم تلخ اور زہرخند نہیں تھیں۔ ہنس مکھ اور خوش اخلاق تھیں۔''

''مگر میں ان جیسی بننا چاہتی ہوں۔'' اس کی نگاہ محل پہ تھی جو اونچی پہاڑی پہ بنا تھا اور اس تک جانے کے لیے کوئی سڑک نہ تھی۔

''تم کردار اور اخلاق کے اعلیٰ ترین معیار پہ پہنچ کے بھی ان جیسی نہیں بن سکتیں۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ کوئی کسی کی طرح نہیں بن سکتا۔ ہر انسان مختلف ہوتا ہے۔ اور کیونکہ انہوں نے تمہاری طرح دو زندگیوں کے ذائقے نہیں چکھے۔ وہ سچے ہیں، اس لیے انہیں جھوٹوں سے لڑنا نہیں آتا۔ وہ ہمیشہ سیدھے راستے پہ رہے ہیں اس لیے انہیں ٹیڑھ اتنی آسانی سے دکھائی نہیں دیتے۔ تمہیں دکھائی دیں گے۔ ہمیشہ دکھائی دیتے رہیں گے۔ تم سچی بننا چاہتی ہو شوق سے بنو، لیکن تم ان سے ہمیشہ مختلف رہو گی۔''

تالیہ نے دھیرے سے سر اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور یہ میرا اصل ہے جس کے ساتھ مجھے رہنا ہے؟''

''ہاں۔ تم نے اتنے ٹیڑھ پن اختیار کیے ہیں کہ اب تم انسانوں کے وہ سارے ٹیڑھ دیکھ سکتی ہو جو تمہارے نئے دوست نہیں دیکھ سکتے۔ تم سچ جھوٹ کی پہچان ان سے بہتر کر سکتی ہو کیونکہ تم اس سب سے گزر چکی ہو۔''

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ پھر سے گردن موڑ کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

داتن چلی گئی اور کمرے میں کافی دیر خاموشی پھیلی رہی تو اس نے فرش پہ رکھا سیاہ موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔ پھر اسپیکر آن کر کے موبائل ہاتھ میں پکڑ لیا اور گال گھٹنوں پہ رکھ دیا۔

''کیسے ہو'حالم؟'' چند گھنٹیوں بعد وان فاتح کی آواز سنائی دی۔اس کا سانس اتھل پتھل لگتا تھا جیسے وہ بھاگتا ہوا آرہا ہو۔یقیناً وہ صبح کی جاگنگ کررہا تھا۔

''فاتح صاحب......آپ کے کام ابھی تک نہیں ہوسکے' مگر......''

''میں نے پوچھا....کیسے ہو تم؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔سن باؤ کا غلام مجسمہ بناتی شہزادی سے ایسے ہی نرمی سے مخاطب ہوا کرتا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔ایک مسئلہ پوچھنا تھا آپ سے۔''

''میرا خیال تھا تم اکثر مسئلے خود حل کرلیتے ہو۔خیر' پوچھو۔'' وہ تیز تنفس کے درمیان بولا۔رفتار آہستہ کردی تھی۔

''آپ legislator ہیں۔قانون بناتے ہیں۔خود بھی وکیل رہے ہیں۔مجھے بتائیں' یہ treasure trove ایکٹ کیا ہے؟''

''خزانہ ڈھونڈنے والوں کے فرائض ہدائٹ؟اس میں یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کو ملائیشیا میں کوئی مدفن خزانہ ملے تو آپ کو فوراً اس شہر کے ڈسٹرکٹ آفیسر کو اطلاع دینی ہوتی ہے۔''

''اور اگر کوئی اطلاع دینے کے بجائے وہ خزانہ خود رکھنا چاہے تو؟''

''تو یہ جرم ہے۔''

''لیکن اگر خزانہ اس کے اپنے آباؤاجداد کا ہو یا اس نے خود دبایا ہو.....تو یہ جرم کیسے ہوا؟''

''پچاس سال گزر جانے کے بعد مدفن چیزیں سرکار کی ملکیت بن جاتی ہیں' ہاں اگر کوئی یہ ثابت کرسکے کہ اس نے خزانہ خود دبایا تھا یا واقعی اس کے آباؤاجداد کا ہے' تو وہ اسے مل سکتا ہے۔''

"ثابت نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر ہمیں خود معلوم ہو کہ ہم سچے ہیں...کیا تب بھی ہم وہ خزانہ خود نہیں رکھ سکتے؟ اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہو کہ ہم سچے ہیں' تب بھی نہیں؟"

"اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہوتا ہے مگر وہی ہمیں کہتا ہے کہ ہمیں law of the land کی پاسداری کرنی ہے اور ملک کا قانون ثبوت مانگتا ہے۔''

"فاتح صاحب!'' اس نے آنکھیں رگڑیں۔''اگر انسان ایک راستے سے تائب ہونے کا عہد کرلے مگر پھر ایک موقع آئے..ایک temptation سامنے ہو تو کیا ایک آخری مرتبہ اس کو چکھا جاسکتا ہے؟ بس یہ آخری ہو' اس کے بعد وہ عہد کرے کہ وہ ہر رغبت سے اجتناب کرے گا۔''

"اور اگر وہ امتحان آخری امتحان ہوا...؟ اگر اس کے بعد امتحان ہی نہ ہونا ہو اور اسی کے اوپر ہمیشہ کے لیے پاس یا فیل ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہو؟ تب؟"

کھڑکیوں پہ ایک دم سے بوندیں برسنے لگیں۔ بارش پھر سے شروع ہوگئی تھی۔ تالیہ نے بے اختیار چہرہ شیشے سے دور کیا۔

"توبہ کا وقت تو موت تک ہوتا ہے' فاتح صاحب۔"

"دیکھو حالم... کچھ امتحانات میں سپلی آجاتی ہے اور کچھ کو فیل کرنے کی صورت میں کالج سے نکال دیا جاتا ہے۔ لیکن کچھ امتحانات انٹری ٹیسٹ ہوتے ہیں۔ ایک نئے طرز زندگی میں داخلے کا امتحان۔ ان کو فیل کیا تو آپ داخل ہی نہیں ہوں گے۔ بعد میں توبہ کر بھی لیں تو کس نے گارنٹی دی ہے کہ توبہ قبول بھی ہوگی؟"

"اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش سامنے ہو تو اسے کیسے چھوڑا جائے' فاتح صاحب؟ اتنا بڑا دل کوئی کہاں سے لائے؟"

"دیکھو حالم ... جب اللہ تعالیٰ ہمیں امتحان میں ڈال کے محبوب چیز اور درست چیز کے چناؤ کا موقع دیتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ہمارے اندر اچھائی کی رمق باقی ہے۔ ابھی سیدھا راستہ ہمارے قدموں سے مایوس نہیں ہوا۔ سیدھے راستے کی خود سے لگی یہ امید نہیں توڑنی چاہیے۔ ایک طرف سے رزق نہیں آئے گا تو کسی دوسری طرف سے آجائے گا۔ اتنا تو اچھائی کی طاقت پہ بھروسہ رکھونا!" وہ اب تیز تیز چلتے ہوئے اسے سمجھا رہا تھا۔ تالیہ سے مزید کچھ نہ کہا گیا۔ اس کے آنسو زاروقطار گرنے لگے۔ وہ ابھی بول ہی رہا تھا جب اس نے کال کاٹ دی اور فون پرے ڈال دیا۔

سارے فیصلے اس برستی بارش نے کروا دیے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ حالم سے فون پہ بات کرتے ہوئے سڑک پہ تیز تیز چل رہا تھا جب بارش شروع ہوئی۔ ٹریک سوٹ میں ملبوس' کانوں میں ہینڈز فری لگائے' اس نے چہرہ اٹھا کے آسمان کو دیکھا' پھر قدم تیز کر دیے۔ قریب میں بس اسٹینڈ کا چھپر بنا تھا۔ فاتح نے بات جاری رکھتے ہوئے' جیب سے پانی کی ننھی سی بوتل نکالی اور شیڈ کی طرف آگیا۔

حالم نے ایک دم سے کال کاٹ دی تو اس نے برا مانے بغیر ہینڈز فری کانوں سے نکالے اور بینچ پہ آ بیٹھا۔ پھر بوتل لبوں سے لگائی اور موبائل کھول کر دیکھنے لگا۔

گیلے بالوں اور کپڑوں کے ساتھ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے وہ اب ایک بھرپور چھٹی انجوائے کرتا نظر آ رہا تھا.

"فاتح صاحب .... وان فاتح!"

آوازوں سے ہی اسے معلوم ہوگیا تھا کہ رپورٹرز نے اسے ڈھونڈ لیا ہے۔ اس نے بس مسکرا کے چہرہ اوپر اٹھایا وہ تو مکھیوں کی طرح اطراف سے اس پہ جھپٹے۔ پل بھر میں سامنے پانچ چھ افراد جمع ہوگئے تھے۔ ایک دو نے چھتریاں تان کے باقی سب کو بھی بارش سے بچا لیا تھا۔ کچھ چھپر تلے بھی آگئے تھے۔

"آپ نے کاغذات نامزدگی جمع کروا دیے ہیں۔ کیا آپ خود کو بی این کا اگلا چیئر مین بنتے دیکھ رہے ہیں جبکہ کچھ عرصہ پہلے تک آپ

کے استعفیٰ کی افواہیں گردش کر رہی تھیں۔“

کسی نے مائیک اس کے چہرے کی طرف کیئے سوال جھاڑا۔ وہ مسکرا کے پیچھے ہوا' ایک بازو بینچ کی پشت پہ پھیلایا اور ٹانگ پہ ٹانگ جما لی۔

"وان فاتح استعفیٰ نہیں دے رہا...نہ دے گا .میں الیکشن لڑ رہا ہوں اور بالکل لڑ رہا ہوں".

" مگر کچھ عرصہ پہلے تک لوگ آپ سے یہ سوال پوچھتے تھے تو آپ جواب گول کر جاتے تھے۔ اب آپ بہت دھڑلے سے الیکشن لڑنے کی بات کر رہے ہیں۔ کیا تب آپ کو لگتا تھا کہ آپ کو مخالفتوں کے باعث الیکشن سے دستبردار ہونا پڑے گا؟“

" دیکھیں الیکشن لڑنا تو میں اس دن چھوڑوں گا جس دن آپ کو اطلاع ملے گی کہ بعد نمازِ عصر وان فاتح کا جنازہ ہے۔ ورنہ اس زندگی میں سیاست میں ایک دفعہ اتر جانے والا اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔“

بارش میں کھڑے رپورٹرز کا قہقہہ گونجا۔

" مگر فاتح صاحب .... جب سے آپ کی دکانیں جلی تھیں اور آپ کی انوسٹمینٹ ڈوبی تھی' عام تاثر یہ بن گیا تھا کہ آپ کے پاس الیکشن لڑنے کا پیسہ نہیں ہے۔ تو اب آپ کے مالی حالات کیسے ہیں؟"

"اب صوفیہ رحمٰن کی طرح میرے باپ نے بھی کرپشن کر کے لامحدود دولت اکٹھی کی ہوتی تو میرے مالی حالات کو اس آگ سے فرق نہ پڑتا مگر خیر .... میں الیکشن لڑنے کی پوزیشن میں ہوں۔“

"فاتح صاحب یہ بتائیے۔“ دوسرے رپورٹر نے سانس لیے بغیر پوچھا۔” تازہ اطلاع ہے کہ کل اشعر محمود بھی چیئر مین شپ الیکشن کے لئے کاغذات جمع کرانے جا رہے ہیں۔ اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"

فاتح نے جیب سے ہینڈز فری نکالے اور ان کی گرہ کھولتا اٹھا۔” کاغذات جمع کروانا ہر ایک کا حق ہے اور پھر الیکشن سے پہلے بہت سے کاغذات جمع کروائے جاتے ہیں۔“

ہینڈز فری کانوں میں ڈالتا وہ فٹ پاتھ پہ آگے بڑھا تو رپورٹرز اپنے مائیک اس کی طرف بڑھائے الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگے۔

" آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اشعر صاحب صرف کورنگ امیدوار ہیں؟ اور وہ بعد میں کاغذات واپس لے لیں گے؟“ ایک لڑکے نے بلند آواز میں پوچھا۔ (کورنگ امیدوار اصل امیدوار کا حامی ہوتا ہے اور اس لئے کاغذات جمع کرواتا ہے تا کہ اگر اصل کے کاغذات مسترد ہو جائیں تو اس کا گروپ اس کو کھڑا کر سکے۔ مستردگی کے فیصلے کے آنے تک کاغذات نامزدگی جمع کروانے کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے۔)

"اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اپنی جاگنگ مکمل کرلوں کیونکہ میرے سامنے ایک لمبا دن ہے ".اس نے جواب دیے بغیر فون جیب میں ڈالا اور ہینڈز فری کانوں میں پکے کرتے ہوئے قدم تیز کر دیے۔ صحافی مزید سوالوں کی بوچھاڑ کرنے لگے مگر وہ جلد ہی ان کے درمیان سے راستہ بناتا... ہلکا ہلکا سا بھاگتا آگے نکل گیا۔

اور ایسے میں اس کے ذہن میں ایک خیال گردش کرنے لگا تھا۔

معلوم نہیں حالم نامی اس انویسٹی گیٹر کا کیا مسئلہ ہو گا؟

بار بار ذہن بھٹک کے اس ہی کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایڈم کے چھوٹے سے گھر کا باغیچہ اتوار کی صبح پھولوں سے مہک رہا تھا۔ مرغی گھاس پر چونچ مار رہی تھی اور چوزے چوں چوں کرتے اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ دیوار پہ لوہے کی تار لگی تھی جس کے باعث بلی اب وہاں دکھائی نہ دیتی تھی۔ ایڈم کی ماں برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی ڈش میں میدہ لیے پیڑے بنا رہی تھی۔ بارش ختم ہوئے گھنٹہ بھر ہونے کو آیا تھا اور موسم خوشگوار تھا۔

گیٹ کی بیل بجی تو ماں نے چونک کے سر اٹھایا۔ پیڑے بناتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ سامنے لگے چھوٹے سے جنگلے نما گیٹ کے پار کھڑی لڑکی صاف دکھائی دیتی تھی۔ پاؤں کو چھوتا سرخ فراک پہنے کہنی پہ بیگ ڈالے' سر پہ ترچھا سفید ہیٹ رکھے' وہ سنہرے بالوں والی لڑکی شناسا تھی۔

"سلام!'' سر کو خم دے کر سلام کیا تو ایبو ڈش رکھ کے آٹے سے لتھڑے ہاتھوں کے ساتھ اٹھی۔

"چے...'' وہ رکی۔ اس کا نام کیا تھا؟ بھول سا رہا تھا۔ مگر وہ جلدی سے آگے آئی اور مسکرا کے دروازہ کھولا۔

"میں ایڈم سے ملنے آئی ہوں". وہ ہچکچا کے بولی۔ ساتھ ہی نظروں سے باغیچے کا جائزہ لیا۔ گھاس کے اختتام پہ ماچس کی ڈبی جیسا ننھا سا گھر تھا جس کی چھت مخروطی تھی۔

" آپ اندر آیئے۔ میں اسے بلاتی ہوں". ایبو اسکرٹ سے بندھے رومال سے ہاتھ صاف کرتی اندر کو لپکی۔

"ایڈم .. ایڈم!" ماں ایڈم کے کمرے کا دروازہ تیزی سے کھول کے اندر داخل ہوئی تو دیکھا' وہ اسٹڈی ٹیبل پہ جھکا کچھ لکھنے میں مصروف تھا .چیک والی سرمئی شرٹ پہنے' وہ سادہ حلیے میں تھا۔ ماں کو دیکھ کے چہرہ موڑا اور جمائی روکی۔

"میں ناشتے کے لئے آ ہی رہا تھا۔''

"وہ باہر آئی ہے . کہہ رہی ہے ایڈم سے بات کرنی ہے".

" کون؟" وہ چونکا ". فاطمہ؟" بے یقینی سے قلم رکھا۔

"نہیں .وہ لڑکی جس نے تمہارے تایا کا خواب سن کے آمین کہا تھا".

ایڈم بن محمد کو چند ثانیے سمجھ ہی نہیں آیا۔ وہ ہونقوں کی طرح ماں کا چہرہ دیکھنے لگا .

" کون؟"

"وہ جو اشعر صاحب کی پارٹی میں موجود تھی۔ سنہرے بالوں والی"....

ایڈم اتنی تیزی سے بوکھلا کے کھڑا ہوا کہ اس کے کہ اس کی ہڈیاں چٹخنے کی آواز آئی۔

"بچے تالیہ؟"

"ہاں۔ یہ وہی ہے نا جو کسی کی نوکرانی تھی اور اب خاندانی رئیس بننے کی اداکاری کرتی ہے؟" ایبو نے یاد کیا۔

وہ کوئی نوکرانی وغیرہ نہیں ہے۔ وہ ملک کے اعلیٰ ترین شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ شہزادیوں سے بھی اعلیٰ ہے وہ۔" وہ بگڑ کے جلدی جلدی بولا تھا۔

تالیہ گیٹ کی طرف پشت کیے کھڑی تھی جب وہ دوڑتا ہوا باہر آیا۔ اس کا لمبا سرخ فراک، سر کا ہیٹ، اور پیچھے گرتے سنہری بال یہاں سے دکھائی دیتے تھے۔ ایڈم نے شرمندگی سے اپنے چھوٹے سے باغیچے کو دیکھا، پھر ہاتھوں سے شرٹ کی نادیدہ شکنیں درست کیں اور کنکھارتا ہوا قریب آیا۔

"بچے تالیہ!"

وہ اس کی طرف گھومی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ تالیہ نے سفید ہیٹ ترچھا کیا تو اس کا چہرہ پورا نظر آیا۔ اس چہرے پہ صرف سادگی تھی۔

"اندر ...اندر آیئے۔"

وہ گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ یعنی سڑک پہ۔ اردگرد چھوٹے گھروں کی قطار تھی اور لوگ آ جا رہے تھے۔ ایک لڑکی پرام دھکیلتی آ رہی تھی۔ ایک فربہی مائل عورت گروسری کے تھیلے اٹھائے سامنے جا رہی تھی۔ ایک بوڑھا جوڑا خوشگوار موسم کے باعث واک کرنے نکلا ہوا تھا۔

"یہ عورت کبھی اس لڑکی جیسی ہوگی۔" اس نے ابرو سے سامان اٹھائے چلتی عورت کی طرف اشارہ کیا تو ایڈم نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں پہلے اس موٹی عورت کو دیکھا' پھر اس نوجوان لڑکی کو۔ "کبھی یہ اتنی پتلی ہوگی لیکن اپنی شادی کے تین چار سال بعد یہ ایسی ہوگئی ہوگی۔ تقریباً بیس کلو وزن بڑھا ہوگا جس کو یہ گھٹا نہیں سکی ہوگی۔"

ایڈم غور سے اسے بولتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اپنے گھر پہ شرمندگی' اپنا ارف حلیہ' ساری فکریں ذہن سے محو ہونے لگیں۔

"جانتے ہو پتلے لوگ موٹے کیوں ہو جاتے ہیں؟" تالیہ گردن موٹے پتلی لڑکی کو پرام دھکیلتے دیکھ رہی تھی۔

"کیونکہ وہ بہت کھاتے ہیں۔"

"مگر کتنا کھاتے ہیں؟ پتہ ہے ایک تحقیق ہوئی اس بارے میں کہ پتلے لوگوں اور موٹے لوگوں کی روزانہ کی خوراک میں کتنا فرق ہے؟" وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بتا رہی تھی۔

"موٹے اور پتلے لوگوں کی سال بھر کی خوراک کا موازنہ کیا گیا تو معلوم ہے' شاہی مورخ' ہر روز موٹے لوگ پتلے لوگوں سے کتنا زیادہ کھاتے ہیں؟" اس نے چہرہ موڑ کر چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"صرف ایک نوالہ زیادہ!"

ایڈم نے بے یقینی سے ابرو اٹھائے۔

"ایک نوالہ؟ صرف ایک نوالے سے کون موٹا ہوتا ہے؟"

"بالکل۔ یہ عورت بھی یہی سمجھتی ہو گی کہ روز کا ایک نوالہ زائد کھانے سے میں موٹی کہاں ہو سکتی ہوں۔ مگر ہر روز کا ایک زائد نوالہ جو اندر جاتا ہے' وہ جمع ہوتا جاتا ہے اور سال بھر میں چار پانچ کلو وزن بڑھا دیتا ہے۔ شادی کے چوتھے پانچویں سال تک لڑکیاں پندرہ بیس کلو بڑھا کے موٹی مرغیوں جیسی بن جاتی ہیں کیونکہ ان اب کو لگتا ہے کہ ایک نوالہ .... ذرا سی چیٹنگ ..... سے کوئی فرق نہیں پڑتا"۔

پھر وہ پوری اس کی طرف گھومی اور اداس مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"لیکن فرق پڑتا ہے۔ روز کے چھوٹے چھوٹے جھوٹ اور چھوٹی چھوٹی خیانتیں جمع ہو کے بہت بڑا ڈھیر لگا دیتی ہیں اور ان سے جان چھڑانا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے جیسے بڑھا ہوا وزن کم کرنا۔ ان دونوں کاموں کے لئے بہت سا صبر اور پرہیز کرنا ہوتا ہے۔ پلیٹ میں پیش کی گئی رغبتوں کو دیکھ کے بھی انکار میں سر ہلانا پڑتا ہے۔"

"آپ نے فیصلہ کر لیا ہے؟"

"ہاں ... میری کار میں کھدائی کا سامان پڑا ہے۔ میرے ساتھ ملا کہ چلو۔ ہم اپنا خزانہ کھود کے نکالیں گے اور پھر ہم فوراً ڈسٹرکٹ آفیسر کو خبر دیں گے۔ ہم اسے پوری ایمانداری سے سرکار کے حوالے کر دیں گے"۔

ایڈم نے اسے پتلیاں سکوڑ کے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ "میں کیسے یقین کروں کہ آپ خزانہ دیکھتے ہی کدال میرے سر پہ نہیں دے ماریں گی؟ اور کھودے ہوئے گڑھے میں میری لاش ڈال کے جے دفنا کے سارے ثبوت نہیں مٹا دیں گی؟"

تالیہ نے تھکی ہوئی سانس بھری۔

"اگر مجھے ایسا کرنا ہوتا تو تمہیں ساتھ کیوں لے کر جاتی؟ اکیلی ہی سارا خزانہ نکال کے غائب ہو جاتی۔ تم نے پولیس کو نہ بتانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"واقعی مجھے ساتھ لے کر جا کیوں رہی ہیں آپ؟"

"تاکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ تالیہ بنتِ مراد اپنے باپ جیسی نہیں ہے . وہ اس خزانے کو نہیں لوٹے گی جو اس کے ملک کے لوگوں کی امانت ہے۔ اور میرے خواب کے مطابق ہم دونوں اکٹھا خزانہ نکالنے کی باتیں کر رہے تھے۔ ایک خزانہ ہم نے پہلے بھی ایک ساتھ ڈھونڈا تھا۔ جیسے تم نے اس خزانے کی حفاظت کی تھی' آج مجھے اس کی کرنے دو۔"

ایڈم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ ماتھے کے بل غائب ہو گئے۔ وہ پورے دل سے مسکرایا .

"آپ واقعی بدلنا چاہتی ہیں؟"

"ہاں مجھے اچھائی کی طاقت پر اتنا بھروسہ تو ہے ہی"۔ ہیٹ والی لڑکی مسکرا رہی تھی . ایڈم کا دل خوشی سے بھر گیا .

"لیکن آپ کے امیر ہونے کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔"

تالیہ مراد نے ہیٹ ترچھی کی اور معنی خیزی سے مسکرائی " . کس نے کہا؟"

ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔"ایک منٹ...آپ نے ابھی کہا کہ آپ خزانے کو ہاتھ نہیں لگائیں گی۔"

"ہرگز نہیں...میں نے یہ کہا کہ ہم ڈسٹرکٹ آفیسر کو اطلاع دیں گے 'اور خزانہ حکومت کے حوالے کر دیا گے . مگر یو نو واٹ ایڈم۔تم میں اور مجھ میں یہی فرق ہے . تم بہت سیدھے ہو . میں نہیں ہوں . میں نے ٹریژر ٹروو ایکٹ پڑھا ہے . اس کے مطابق حکومت کو خزانہ ڈھونڈنے والوں کو انعام بھی دینا ہوتا ہے"۔

"انعام؟" .. ایڈم کا منہ کھل گیا۔

"ہاں اور جب ہم سرکار سے خزانے کی ڈیل کریں گے تو ان سے عہد لیں گے کہ انعام خزانے کا percentage ہونا چاہئے . کروڑوں کے خزانے کا معمولی حصہ بھی بہت ہی ہوگا۔حکومت بہت آرام سے چند نوادرات ہمیں دے دے گی جس کو میں بھرپور پروموشن کے بعد کروڑوں میں بیچوں گی . ہاں ہم اس رقم سے بہت امیر نہیں ہو جائیں گے مگر ایک نئی زندگی شروع کرنے کے لیے اتنی رقم کافی ہے . اور پھر میرے پاس ملاکہ سے لایا گیا قیمتی زیور بھی ہے اور وان فاتح مجھے بی این اعلیٰ پائے کی جاب بھی دلوا دیں گے . یہ بھی کم نہیں ہے"۔

"اور میں سمجھا تھا تالیہ اپنے سارے خواب بھلا کر درویشانہ زندگی گزارنے جا رہی ہیں مگر آپ نہیں بدلیں گی۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا تو تالیہ نے کندھے اچکائے۔

"خوابوں پر شہزادی تالیہ کبھی سمجھوتہ نہیں کرتی..گستاخ مورخ" پھر اس کے دائیں ہاتھ کو دیکھا جسے ایڈم نے سرعت سے پیچھے کر لیا۔"میں لباس تبدیل کر کے آتا ہوں , آپ یہیں رکیں"

وہ جیسے ہی اندر آیا ایبو پیچھے پیچھے چلتی آئی "تم دونوں کسی خزانے کی بات کر رہے تھے , ایڈم مجھے بتاؤ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ایڈم بن محمد کو زمین میں چھپے خزانے کا راز ملنے والا ہے , ماں۔تایا کی دعا قبول ہونے والی ہے۔" وہ الماری میں ہینگرز ادھر ادھر کرتے ہوئے عجلت میں بتانے لگا . چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا .

چوکھٹ میں کھڑی ایبو نے گہری سانس لی " . اور اس روز تم دنیا کے بادشاہوں سے زیادہ طاقتور بن جاؤ گے . یہ بات بھی اس خواب میں شامل تھی .

ایڈم کے ہاتھ رکے۔وہ ٹھٹھکا۔بے اختیار کمبوڈ ڈریگن کی لاش اور وہ غار یاد آیا جو سونے سے بھرا تھا۔

(ایک خزانے کا راز اسے پہلے بھی ملا تھا مگر اس نے کسی مقام پہ خود کو بادشاہ سے زیادہ طاقتور تصور نہیں کیا تھا , اور طاقتور تو وہ اب بھی نہیں بنے گا . تو پھر..؟)

خیر....اس نے سر جھٹکا اور کپڑے نکالنے لگا۔



اس مصروف سڑک کے دونوں اطراف میں ڈیزائنر شاپس بنی تھیں۔ شاپنگ کرتے لوگ سڑک کنارے ٹہل رہے تھے۔ دکان کے اندر بھی اشیاء دور سے چمکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک جیولری اسٹور کے دروازے سے سمیع اندر داخل ہو رہا تھا۔

سمیع کے بال مناسب کٹے تھے اور آنکھوں پہ مہنگے فریم والا نظر کا چشمہ تھا۔ ڈیزائنر کوٹ پہنے' انگلی میں سونے کی قیمتی انگوٹھی' کلائی میں سنہری گھڑی باندھے وہ بظاہر کوئی مالدار آدمی لگتا تھا۔ سانولے چہرے پہ بے نیاز مسکراہٹ تھی اور عقاب جیسی آنکھیں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

مینجر اس کو دیکھ کے فوراً اٹھا۔ وہ مسکرا کے قریب آیا اور زیورات سے سجے شوکیس کے ساتھ رکھی کرسی پہ بیٹھا۔

"بتائیے سر کیا دیکھنا چاہیں گے؟" یہ درمیانے درجے کا اسٹور تھا اور اس میں ڈیزائنر جیولری تو نہ تھی , لیکن پھر بھی اس کا شمار قابل بھروسہ جیولرز میں ہوتا تھا۔

سینئر مینجر نے نگاہوں سے اس آدمی کی مالی حیثیت کا اندازہ کرنا چاہا . وہ کوئی ونڈو شاپر نہیں لگتا تھا .

ظاہر ہے وہ اس بات سے واقف نہ تھا کہ سمیع نے ادھار کی چیزیں پہن رکھی تھیں . اسکے مالی حالات خراب تھے آج کل اور کام ٹھنڈا تھا. قرض الگ چڑھے تھے . ایسے میں تالیہ کے ٹاپس اس کا واحد ہتھیار تھے . ہاں مگر وہ بیوقوف نہ تھا کہ ٹاپس بیچنے کی کوشش کرتا . اس نے اپنے سنار دوست سے ہیرے نکلوائے تھے اور ان ہیروں کی پرانی تاریخوں میں کسی درمیانے درجے کے اسٹور کی رسیدیں بھی بنوائی تھیں. ایسے اسٹور کے جیولر مالکان اپنے جاننے والے چوروں اور نوسر بازوں کی چوری شدہ رسیدیں بنادیتے تھے تاکہ انہیں بیچنا آسان ہو. اسکے سنار دوست نے ہیرے دیکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ بہت قیمتی ہیں . وہ ٹاپس بلیو ڈائمنڈ کے تھے اور ڈیزائنر جیولری معلوم ہوتے تھے. یقیناً تالیہ کو اس کے کسی چاہنے والے نے دیئے ہونگے .

"اپنی والدہ کے ڈائمنڈز کو میں انگوٹھی میں جڑوانا چاہتا ہوں۔ دراصل میری شادی ہو رہی ہے" وہ مسکرا کے بتا رہا تھا . ساتھ ہی جیب سے ایک باکس نکالا اور اسے کھولا۔ اس کے اندر وہ دونوں ہیرے ایک سونے کے لاکٹ کے ساتھ پڑے دکھائی دیتے تھے۔ لاکٹ پرانا تھا اور ایسا لگتا تھا اندر سے ہیرے اتارے گئے ہیں۔

"میں نے ایک جیولر سے ان کو اتروایا مگر اس نے انگوٹھی کے جو ڈیزائن دکھائے وہ مجھے پسند نہیں آئے۔ میں اسے آپ کے پاس لے آیا."

"شیور سر ...آپ کے ذہن میں کوئی ڈیزائن ہے؟"

مینجر نے فوراً باکس قریب کیا اور ٹوئیزر سے ایک ہیرا اٹھا کے دیکھا۔ اس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی .

"میں یہ ڈیزائن چاہ رہا تھا . میری منگیتر کو یہ پسند ہے مگر سرپرائز دینا ہے تو اس لیے ..." وہ موبائل پہ ایک ڈیزائن دکھانے لگا۔

"آپ کے پاس رسید ہے نا اس کی؟ دراصل سسٹم ایسا ہے کے"... منیجر وضاحت دینے لگا۔ بظاہر شک کرنے کی وجہ تو نہ بنتی تھی مگر وہ مجبور تھا۔

"آف کورس ہے"۔ اس نے جیب سے فوراً کاغذ نکال کے دکھائے" ۔ والدہ نے قریباً پانچ برس پہلے یہ لاکٹ بنوایا تھا۔ ان کی وفات کے بعد سے ایسے ہی پڑا ہے"۔ اب وہ رٹی رٹائی کہانی سنا رہا تھا۔

"بہت قیمتی ہیرا ہے یہ"۔ منیجر متاثر کن نظروں سے ہیرے کو الٹ پلٹ کے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے احتیاط سے دونوں ہیروں کو ڈبی میں ڈالا۔

"میں ان کو چیک کرلوں' پھر بتاتا ہوں کہ کیا کرنا ہے"۔ خوش اخلاقی سے کہتا منیجر ہیروں کو لئے شوکیس کے سرے تک آیا جہاں نیچے چند مشینیں رکھی تھیں۔ اس نے مائیکرواسکوپ کی طرح کی مشین میں ایک ہیرا رکھا اور آنکھ مقررہ جگہ پہ لگا کہ اسے پرکھنے لگا۔

اسٹور کے قیمتی ہیروں اور سونے کی چمک سمیع کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اے سی کے ٹھنڈے اور خنک ماحول میں وہ خود کو بہت آرام دہ محسوس کر رہا تھا جب مینجر واپس اس تک آیا۔

"آپ کے ہیرے بالکل اصلی ہیں۔ اچھا اب میں آپ کو چند فریش ڈیزائن دکھا دیتا ہوں جو آپ کی خوش قسمت وائف کو بہت پسند آئیں گے۔''منیجر خوش دلی سے چند کیسز نکال لایا۔ پھر ایک ایک انگوٹھی نکال کے دکھائی۔ اپنی چرب زبانی سے وہ ہر انگوٹھی کے ڈیزائن کی شان میں قلابے ملا رہا تھا۔

سمیع کچھ دیر ان کو دیکھتا رہا۔ یوں ظاہر کیا جیسے اسے ڈیزائن پسند نہ آرہے ہوں۔

''شاید ہیرے بہت بڑے ہیں۔ ان کو بیچ کے میں چھوٹے ہیرے خرید کے اگر انہیں یوں بنوالوں تو...''وہ ایک ڈیزائن پہ انگلی رکھ کے بولا تو جیولر گہری سانس لیتے ہوئے پیچھے ہوا۔

''نو تھینکس جناب۔ مجھے آپ کے چوری کے ہیرے نہیں خریدنے۔''جیولر کا لہجہ ایک دم روکھا ہوا تو سمیع نے چونک کے اسے دیکھا جو سمیع کے پیچھے کسی کو دیکھ رہا تھا۔

سمیع ایک دم گھوما۔ کرسی بھی ساتھ ہی گھومی۔

دکان کے دروازے سے تین پولیس آفیسرز داخل ہو رہے تھے۔

"ایک منٹ۔ میرے ہیرے چوری کے نہیں ہیں۔"اس نے بوکھلا کر مینجر کو پکارا۔ "آپ نے پولیس کیوں بلا لی ہے؟"

"کہانی اچھی گھڑ لی آپ نے جناب۔"جیولر رکھائی سے کہتا اٹھا اور اپنے کیسز سمیٹنے لگا۔ پولیس والے اس کے گرد گھیرا بنائے کھڑے ہو گئے۔ وہ سمیع کو گھور رہے تھے جو حیران پریشان رہ گیا تھا۔

"اور میں آپ کی کہانی میں آبھی گیا تھا لیکن میں نے ہیروں کو چیک کرلیا۔ جس سنار سے آپ نے یہ جعلی رسیدیں بنوائی ہیں، اس کے

پاس میرے والی مشین نہیں ہوگی ورنہ بتا دیتا کہ ان ہیروں پہ laser inscription کی گئی ہے جس میں ان کا سرٹیفائیڈ نمبر لکھا ہے۔ یہ آپ کی والدہ کے نہیں ہیں جناب۔ یہ ہیرے Joyalukkas کے ٹاپس سے اتارے گئے ہیں اور یہ ایک سال پہلے ایک سنگاپورین خاتون کے پاس سے چوری کیے گئے تھے اور ان کا سرٹیفکیٹ نمبر پولیس نے تمام ڈائمنڈ ڈیلرز کو بھیج رکھا تھا۔ آپ کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ ڈیزائنر جیولری جب بھی چوری ہوتی ہے، اس کے مالکان اس کا laser انسکرائبڈ نمبر پولیس کو دے دیتے ہیں۔" وہ ٹھک ٹھک انگوٹھیوں کے ڈبوں کے ڈھکن بند کر رہا تھا اور سمیع کے قدموں تلے زمین سرک رہی تھی۔

''یہ میں نے نہیں چرائے۔ مجھے میری بیوی نے دیے تھے یہ۔''

''یہ ہیرے صرف چوری شدہ نہیں ہیں' مسٹر۔'' افسر نے اس کے ہاتھ پیچھے لے جا کر ہتھکڑی لگاتے کہا۔''یہ ہیرے ایک قتل کے سین سے چرائے گئے تھے۔ اب تم تھانے چل کے ہمیں یہ بتاؤ گے کہ اس قتل سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

"اف!" سمیع نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

وہ اسے جان بوجھ کے باتھ رومز تک لائی تھی کیونکہ وہاں کیمرے نہیں لگے تھے۔ اس نے جان بوجھ کے اس وقت صرف موٹے موٹے ٹاپس پہن رکھے تھے تاکہ وہ ان کے لالچ میں آ جائے۔ اس کا وہ ڈرنا' وہ غصہ کرنا' وہ سب۔۔۔ سب اداکاری تھا۔ اس نے اسے بہت برا پھنسایا تھا۔

اف! اس کا دماغ گول گول گھوم رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ملاکہ شہر میں سن باؤ کا گھر ویسا ہی تھا جیسا وہ ہفتہ بھر پہلے رات کو چھوڑ کے گئے تھے۔ وہی سرخ حویلی۔ وہی کنواں۔ وہی تروتازہ پودے اور وہی لال اینٹوں والا صحن۔ مجسمہ بھی ویسے ہی فخر سے سر بلند کیے کھڑا تھا۔ اس کی پتھریلی آنکھیں سنجیدگی سے سامنے والی دیوار کو دیکھ رہی تھیں۔

اس وقت ان کو کھدائی کرتے کئی گھنٹے بیت چکے تھے۔ مجسمے کے قریب اینٹیں اکھڑی پڑی تھیں اور گہری جگہ کھدی ہوئی تھی۔ شام ہو چکی تھی اور وہ دونوں مٹی سے اٹے کپڑوں کے ساتھ دستانے چڑھائے، بال پلاسٹک کیپ میں ڈھانکے، کدالیں پکڑے کھودنے میں لگے تھے۔

"اب تک ہمیں یہ جگہ کھود لینی چاہیے تھی۔" ایڈم سانس لینے کو رکا تو شکایتی انداز میں بولا۔ اس کا چہرہ مٹی سے اٹا تھا اور کپڑے بھی میلے ہو رہے تھے۔

تالیہ نے کدال کا پھل زمین پہ گاڑھا اور اس پہ دونوں ہاتھ جما کے ذرا دیر کو ستانے رکی۔

"احتیاط سے کام کرنا تھا نا۔ ورنہ سارے بازار کو اطلاع مل جاتی کہ یہاں کھدائی ہو رہی ہے۔"

"آوازیں تو اب بھی گئی ہوں گی۔"

"اسی لیے آتے وقت آس پاس بتا دیا تھا کہ نئی کرایہ دار ہوں اور گھر کی ری ماڈلنگ کروا رہی ہوں۔ بے فکر رہو۔ کوئی شک نہیں کرے گا۔" اس نے پھر سے کدال اٹھالی اور زمین کھودنے لگی۔

چھ سو سال نے اس جگہ کو بدل کے رکھ دیا تھا۔ مجسمہ ویسا نہ تھا جیسا اس نے بنایا تھا۔ جگہ جگہ سے وہ ٹوٹا ہوا لگتا تھا گویا بعد میں مرمت کی گئی ہو۔ صحن بھی کئی دفعہ بنایا گیا تھا مگر زمین پرانی تھی۔

جیسے آسمان پرانا تھا۔ جیسے ملاکہ کا بوڑھا سمندر پرانا تھا۔

بس ہوا میں cesium کی ملاوٹ تھی۔

کدال کی ہر ضرب کے ساتھ مٹی نکلتی جا رہی تھی اور وہ اپنے مطلوبہ صندوق کے قریب پہنچتے جا رہے تھے۔۔ مٹی پہ نظریں جمائے، کدال اس میں مارتے، اس کے ذہن کے پردے پر ایک نیلی شام اترنے لگی۔

پرانے وقتوں کے ملاکہ میں سن باؤ کے گھر کی شام۔۔

سن باؤ وانگ لی کام سے باہر گیا تھا۔ شاہی سپاہی حویلی کے سامنے پہرے پہ مقرر تھے۔ ایڈم آج جلدی چلا گیا تھا مگر شہزادی تاشہ وہیں بیٹھی مجسمہ بنا رہی تھی۔ اس نے تاج سر پہ جما رکھا تھا اور جھمکے پہنے ہوئے تھے۔ لباس بھی زرتار تھا۔ تاج سے نکل کے پیچھے گرتا کپڑا سر کو ڈھانکے ہوئے تھا۔ اس کامدار لباس کے باوجود وہ مہارت سے مجسمے پہ ہاتھ چلا رہی تھی۔

"اتنے سال میں نے اس مجسمے کو دیکھا۔ مگر میں نہیں جانتا تھا کہ یہ وقت میں پیچھے جا کے تم نے بنایا تھا۔" آواز پہ وہ چونک کے پلٹی۔

فاتح اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا تھا۔ تالیہ نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرائی۔

"تو انکو!"

"شہزادی!" فاتح نے سر کو خم دیا۔ ادب یہاں بھی پہلا قرینہ ہی تھا۔

"آپ کے گھر میں جو مجسمہ نصب ہے، اس پہ جگہ جگہ ٹوٹ پھوٹ ہوئی نظر آتی ہے۔ مجھے یاد ہے ہمارے وقت میں سفر والے روز عصرہ کے مدعو کرنے پہ میں وہاں گئی تھی تو دیکھا تھا۔"

"ہاں کونوں سے وہ ٹوٹتا رہتا ہے مگر تاریخی ورثے کی حفاظت کے شوقین لوگ اس کی مرمت کرواتے رہتے ہیں۔ آخری دفعہ عصرہ نے اس کی نوک پلک سنواری تھی۔" وہ زینے اترتے ہوئے نیچے آیا تو ساتھ ہی بولتا جا رہا تھا۔ وہ گارے میں لتھڑے ہاتھ لیے اس کو دیکھے گئی۔

سفید چھوٹے کرتے اور پاجامے میں وہ صاف رنگت والا اونچا لمبا غلام مسکراتے ہوئے قریب آ رہا تھا۔ ملائشیا میں وہ ایک اسٹار سلیبریٹی تھا۔ اور یہاں وہ ایک غلام۔

مگر دونوں جگہوں پہ وہ 'اس' کا تھا۔

" کیا سوچنے لگیں؟" وہ اس کے بالکل سامنے آرکا۔ مسکراتے ہوئے غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔

وہ سنبھل کے مسکرائی۔ "عجیب باتیں سوچتی ہوں میں آج کل۔"

"مثلاً؟"

" کیا ہم واپس جا سکیں گے تو انکو؟"

"میں نے وعدہ کیا ہے کہ ہم جائیں گے تو ضرور جائیں گے۔" پھر آواز دھیمی کی۔ "ایک دفعہ ہمیں مراد راجہ کا خزانہ مل جائے۔۔۔ ہم اس کو ایسے گھیریں گے کہ اسے اپنی جان بچانے کے لیے ہمیں وہ چابی دینی پڑے گی۔" وہ مطمئن تھا۔ پرامید تھا۔ اس وقت تک اس کو مراد راجہ کی "شرط" کا گمان تک نہ ہوا تھا۔

"سوچ رہی ہوں واپس جا کے کیا ہوگا؟" وہ اپنی سوچتی نظریں اس کے وجیہہ چہرے پہ جمائے ہوئے تھی۔ ہاتھوں کی مٹی سوکھنے لگی تھی۔

" آپ تو مجھے آزاد کر دیں گے مگر۔۔۔ سارا ملک، آپ کا خاندان۔۔ دوست۔۔۔ فینز۔۔ کوئی کبھی نہیں جان پائے گا کہ آپ نے پچھے سو سال پہلے کی ایک شہزادی سے شادی کی تھی۔"

" کیا تم چاہتی ہو کہ لوگ جانیں؟"

"میں چاہتی ہوں کہ مجھے آزاد کرنے کے بعد بھی آپ ایسے ہی رہیں۔ کے ایل میں آپ مجھے ایک بگڑی ہوئی امیر زادی سمجھتے تھے۔ مگر اب آپ جانتے ہیں کہ میں ایسی نہیں ہوں۔ ہم نے اندھیر جنگلوں کا سفر ایک ساتھ کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ مجھے کبھی نہ بھلائیں۔"

"میں تمہیں کیسے بھلا سکتا ہوں؟ یہ وقت تو ایک سرمایہ ہے۔ ہم نے اس سے سیکھنا ہے۔ ماضی ہوتا ہی سیکھنے کے لیے ہے۔"

تالیہ نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ "میرے خواب میں آپ نے کہا تھا کہ میں آپ کے ساتھ رہوں آپ کو میری ضرورت ہے اور مجھے آپ کی۔"

"سوری مگر وان فاتح کو کسی کی ضرورت کبھی نہیں رہی۔" اس نے شانے اچکا دیے۔ پھر ساتھ سے گزر کے آگے آیا اور قریب سے مجسمہ دیکھنے لگا۔ تالیہ نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

"اور اگر مجھے آپ کے قریب رہنا ہو تو میں کیا کروں؟"

نیلی شام ابھی تک روشن تھی اور سن باؤ کا گھر خاموش تھا۔ ایسے میں آدھے بنے مجسمے کے ساتھ وہ دونوں یوں کھڑے تھے کہ فاتح مجسمے کو دیکھ رہا تھا اور وہ آدھی مڑ کے اسے۔

" تم کئی دفعہ کہہ چکی ہو کہ تم یہاں سے دور چلی جاؤ گی۔ امریکہ وغیرہ۔"

"چلی تو میں جاؤں گی...اپنی کچھ چیزیں لے کر۔" اس نے نظریں جھکا کے مجسمے کے قدموں کو دیکھا جہاں زمین برابر تھی مگر منوں مٹی تلے اس کا خزانہ چھپا تھا۔ "لیکن اگر کبھی ارادہ بدل دوں اور آپ کے ساتھ رہنا چاہوں تو کیسے رہوں؟"

وہ آہستہ سے اس کی طرف گھوما۔ایسے کہ پتلیاں سکیڑے اس کی بات پہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

"میرے آفس میں جاب کرلینا۔"

" مگر آپ کو تو میری ضرورت نہیں ہے۔"اس نے فوراً جتایا۔

"ہاں وہ تو نہیں ہے، لیکن میری زندگی ،تالیہ ،صرف کام کے گرد گھومتی ہے۔اگر تمہیں میرے قریب رہنا ہے تو تمہیں میرے آفس میں جاب کرنی پڑے گی۔" پھر سے کندھے اچکائے۔سدا کا بے نیاز اور مطمئن آدمی۔

"""آپ کے آفس میں مجھے کون سی جاب مل سکتی ہے؟"پھر ٹھہر کے بولی۔" آپ کے آفس میں کون سی جاب اعلیٰ ترین ہے اور کون سی ادنیٰ ترین؟"

"اعلیٰ ترین تو ممبرز پارلیمنٹ ہوتے ہیں۔"

"وہ تو میں بن نہیں سکتی۔ادنیٰ ترین کون ہوتے ہیں؟"

"سب سے ادنیٰ اور معمولی جاب سیکورٹی ورکرز کی ہوتی ہے مگر نہیں ،وہ آفس کے باہر ہوتے ہیں۔پھر رہ گیا لفٹ والا آدمی۔اوہوں۔وہ بھی ہمارے فلور پہ نہیں ہوتا۔'' وہ تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچنے لگا۔''ہاں...سب سے کم تنخواہ والے تو پرسنل ایڈ یا باڈی مین ہی ہوتے ہیں۔اور سب سے اچھی جاب ڈیپارٹمنٹ ہیڈز کی ہوتی ہے۔وہ اپنی ذہانت اور دانائی کی وجہ سے وہاں تعینات ہوتے ہیں۔کوئی سوشل میڈیا ٹیم کا منیجر ہے تو کوئی میڈیا اسٹریٹجی کمیٹی کا ہیڈ ،مگر در اصل یہ لوگ کنگ میکرز ہوتے ہیں۔"

''تو سب سے اعلیٰ جاب کنگ میکرز کی ہوتی ہے؟"اس کی آنکھیں چمکیں۔

"بالکل۔" پھر اسے دیکھ کے مسکرایا۔"میرا تم سے وعدہ ہے۔تم جب بھی مجھ سے جاب مانگنے آؤ گی ،میں تمہیں اپنا کنگ میکر بناؤں گا۔اس عہدے کا جو نام بھی ہو' وہ کنگ میکر کا عہدہ ہی ہوگا۔"

"اور اگر شہرت اور طاقت کی چکا چوند میں آپ اپنا وعدہ بھول گئے تو ؟"اسے واہمہ سا ہوا۔

"بھول بھی گیا تو تم اتنی قابل ہو کہ کسی بھی سیاسی جماعت میں بہت جلد میرٹ اور محنت سے کنگ میکر بن جاؤ۔"پھر وہ ٹھہرا۔" لیکن یاد رکھنا۔راسپوٹین کسی کو اچھے نہیں لگتے۔"تنبیہہ کی۔تالیہ کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

"راسپوٹین کون؟"

"فرانس کے بادشاہ نکولیس کا سلطان ساز۔ویسے تو وہ نکولیس کے بیمار بیٹے اور بیوی الیگزینڈرا کا معالج اور پیر تھا،لیکن بادشاہ کا اصل ہمراز اور مشیر بھی تھا۔بادشاہ ہر فیصلہ اپنے اسی روحانی پیشوا سے پوچھ کے کرتا تھا۔الیگزینڈرا اور راسپوٹین ،ان دونوں کے غلط مشوروں سے نکولیس کو نقصان پہنچا تھا۔دونوں سے عوام شدید نفرت کرتے تھے۔آخر میں راسپوٹین کو ایک دوسرے شہزادے نے دعوت کے بہانے گھر بلا کے قتل کر دیا تھا۔"

الفاظ کی سنگینی نے سرخ صحن کو اداس کر دیا۔

"عوام سلطان سازوں سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟"

" کیونکہ وہ اپنے لیڈر کو اپنے علاوہ کسی کی خواہش پہ چلتا نہیں دیکھ سکتے۔ آزاد لیڈر کسی سلطان ساز، کسی مشیر کی خواہش پہ چلتا بھی نہیں ہے۔ وہ اصولوں پہ چلتا ہے اور صرف درست مشورہ قبول کرتا ہے۔ مگر مزے کی بات یہ ہے کہ عوام کبھی اپنے لیڈر کو قصوروار نہیں ٹھہراتے۔ وہ راسپوٹین جیسے سلطان سازوں اور الیگزینڈرا جیسی ناعاقبت اندیش بیویوں سے نفرت کرتے ہیں۔ لیڈر آخر تک ہیرو رہتا ہے۔"

وہ دونوں مجسمے کے ساتھ صحن میں کھڑے دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔

"اور آخر میں سارے طاقتور سلطان ساز قتل کیوں ہو جاتے ہیں؟"

" کیونکہ اگر وہ بادشاہ کے ساتھ وفادار نہ رہیں تو بادشاہ کو مار کے تخت پہ قبضہ کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر وفادار رہیں تو بادشاہ کا ان سے اعتبار کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ کوئی سازش، کوئی چال ان کا مقام نہیں گھٹا سکتی تو حاسد رقیب ان کی جان لے لیتے ہیں۔ سلطان ساز بننا آسان نہیں ہے۔ اور گو کہ میں تمہیں جاب دینے کا وعدہ کرتا ہوں، لیکن میں دل سے کبھی نہیں چاہوں گا کہ تم میرے آفس میں میرے ساتھ اس طرح کام کرو۔"

" کیوں؟" وہ چونکی۔

" کیونکہ۔" وہ چند قدم آگے بڑھ آیا اور ملال سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "یہ ایسی دلدل ہے جس میں کیچڑ ہی کیچڑ ہے۔ یہ تمہیں اپنے اندر دھنسا لے گی۔ اور اگر دھنسا نہ سکی تو لباس داغدار ضرور کر دے گی۔ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ صرف میرے ساتھ رہنے کے لیے تم اس دلدل میں قدم رکھو۔"

وہ فکرمند لگتا تھا۔ تالیہ مسکرا دی۔

"جیسے آپ کو میری ضرورت نہیں، ویسے ہی مجھے بھی آپ کی ضرورت نہیں۔ میں تو آپ کا امتحان لے رہی تھی۔" پھر شہزادی نے گھمنڈی انداز میں سر جھٹکا اور بے نیازی سے واپس گارے کی طرف پلٹ گئی۔

فون کی گھنٹی نے اسے چونکایا تو وہ حال میں واپس آئی۔

ایڈم اور وہ خزانے کے قریب پہنچ چکے تھے اور اس کا فون بج رہا تھا۔ تالیہ نے کدال رکھی اور فون جیب سے نکالا۔ دستانہ اتارتے ہوئے پیغام دیکھا۔ پھر مسکرا دی اور فون واپس رکھ دیا۔

" کیا ہوا؟" ایڈم نے زمین کھودتے ہوئے تشویش سے سر اٹھایا۔

"میرا ایکس۔۔۔ سمیع۔۔۔ میرے پیچھے پڑا تھا۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ اسے پولیس پکڑ کے لے گئی ہے۔"

"اور آپ تو اتنی معصوم ہیں کہ اس میں آپ کا ہاتھ ہی نہیں ہو گا۔"

"ہاتھ نہیں، دماغ ہے۔ دماغ۔" مسکراتے ہوئے دستانہ چڑھاتے' اس نے واپس کدال اٹھالی۔

"میرا اور داتن کا ایک چور دوست ہے آصفل۔ اس نے مجھے ایسی ڈیزائنر جیولری کا بندوبست کر کے دیا جو قتل کے کیس سے تعلق رکھتی تھی اور بیچنے والے نے کوڑیوں کے مول بیچ کے جان چھڑائی تھی۔ سمیع نے وہ ہیرے مجھ سے لیے اور انہیں بیچنے کی کوشش کرتے پکڑا گیا۔ پوچھو کیسے؟"

"ان ہیروں پہ یقیناً laser inscription کی گئی ہو گی جو کہ سرٹیفائیڈ ڈائمنڈز پہ ہوتی ہے۔"

"اوہ... تمہیں کیسے پتہ؟"

"کیونکہ میں کتابیں پڑھتا ہوں۔" اس نے زور سے کدال کی ضرب لگائی۔ بالآخر لوہے کے صندوق کا کنارہ نظر آ رہا تھا۔

"یا اللہ!" وہ دونوں گڑھے میں اترے اور تیزی سے مٹی ہٹانے لگے۔ کیڑے، پودوں کی جڑیں، پتھر اور یہ تاریں۔۔۔ جگہ جگہ سے نکلتی تاریں بہت رکاوٹ ڈال رہی تھیں مگر جلد ہی وہ مٹی کم کرتے گئے، یہاں تک کہ صندوق کی اوپری سطح واضح ہوئی۔ لوہا یوں لگتا تھا جیسے گل گیا ہو۔ زنگ آلود۔ بوسیدہ لوہا۔۔۔ جس کے درمیان میں بڑا سا شگاف تھا اور مٹی بھری تھی۔

تالیہ کا ماتھا ٹھنکا۔ یہ شگاف کیوں ہے؟

مگر نہیں۔۔۔ اس نے سارے واہموں کو ذہن سے جھٹکا اور ہتھیلیوں سے مٹی ہٹانے لگی۔۔۔ ان دونوں کی زبانیں ساکت تھیں اور ہاتھ تیز تیز کام کر رہے تھے۔

یہاں تک کہ صندوق کی ساری مٹی انہوں نے باہر نکال دی۔

اور۔۔۔

وہ صندوق خالی تھا۔

خزانہ وہاں نہیں تھا۔

تالیہ کا مٹی سے اٹا چہرہ ساکت ہو گیا۔ ایڈم بھی شل رہ گیا۔

وہ صحن اتنا پکا اور قدیم تھا کہ یوں لگتا تھا، برسوں سے کسی نے ایک اینٹ بھی نہیں ہلائی تھی۔ مجسمہ بھی اپنی جگہ پہ موجود تھا۔ تو پھر خزانہ کہاں گیا؟

صندوق اتنا مضبوطی سے فٹ کیا گیا تھا کہ خزانہ نکالنے والے نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا اور صرف اس کے ڈھکن میں شگاف کر کے ساری چیزیں نکال لی تھیں۔ مگر کس نے اور کب؟

"یہ نہیں ہو سکتا۔ چے تالیہ یہ ناممکن ہے!"

اب حالت یہ تھی کہ صحن کے درمیان میں گڑھا کھدا ہوا تھا اور اس کے دہانے پہ وہ دونوں مٹی مٹی ہوئے' پیر لٹکائے بیٹھے تھے۔

''ہمارا خزانہ کہاں گیا ایڈم؟'' وہ سرگوشی میں بولی۔ ششدر نظریں ٹوٹے ہوئے صندوق پہ جمی تھیں۔

''کسی نے ہم سے پہلے خزانہ نکال لیا ہے۔ مگر کس نے؟''

''اب ہمیں حکومت کا انعام نہیں ملے گا۔''

''اور میری شادی کے پیسے بھی اکٹھے نہیں ہو پائیں گے۔''

''یعنی ہم وہیں پہ آ گئے ہیں جہاں سے شروع ہوئے تھے۔ ہمارا خزانہ چوری ہو گیا ہے۔'' وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔ ''اور ہم پھر خالی ہاتھ ہیں۔''

وہ دونوں کتنی ہی دیر وہاں بیٹھے رہے۔ شل۔ ماؤف دماغ لیے۔ سب کچھ جیسے ختم ہو گیا تھا۔

''ہم نے کیوں سوچ لیا تھا چے تالیہ کہ چھ سو سال گزرنے کے بعد بھی خزانہ اپنی جگہ پہ موجود ہوگا۔''

وہ ابھی تک بنا پلکیں جھپکے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔

''پانچ سو ستاون سال ایڈم۔''

اور ان دونوں میں سے کوئی نہ ہنسا۔ وہ چپ چاپ گم صم سے بیٹھے رہے۔

سن باؤ وانگ لی کا مجسمہ اپنی پتھریلی آنکھوں میں صدیوں پرانے راز چھپائے خاموشی سے دور افق کو دیکھتا رہا۔

صرف وہی جانتا تھا کہ خزانہ کس نے نکالا تھا۔

مگر بنداہارا کی بیٹی نے اس کا پتھریلا چہرہ بناتے وقت اندر زبان تک نہیں رکھی تھی جس کو ہلا کے وہ انہیں حقیقت بتا سکتا۔

اس کی صرف آنکھیں تھیں جن میں سارے راز پتھر ہو چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سوموار کی صبح کے ایل کے دفتروں میں کام شروع ہو چکے تھے۔ منڈے مارننگ کسی کو پسند نہیں تھی، مگر جمائیاں روکتے، اتوار کے ہنگاموں کو بھلانے کی سعی کرتے ورکرز کام میں لگے تھے۔ پترا ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے اس فلور پہ باریسن نیشنل کا دفتر بھی معمول کی مصروفیات کا شکار دکھائی دیتا تھا۔

وان فاتح کے آفس کے سامنے بنے چھوٹے سے سٹنگ ایریا میں تالیہ مراد بیٹھی نظر آتی تھی۔ بالوں کا جوڑا بنائے، وہ بھوری اسکرٹ بلاؤز پہ سفید کوٹ پہنے کوئی ایگزیکٹو لگ رہی تھی۔

وہ ابھی ابھی آ کے بیٹھی تھی اور اسے دیکھتے ہی فاتح کا سیکرٹری عثمان فوراً چلا آیا تھا۔

''میم آپ تھوڑا سا انتظار کریں۔ میں فاتح صاحب سے آپ کے اپائنٹمنٹ لیٹر کا پوچھ کے آتا ہوں۔'' شائستگی سے بولا تو تالیہ نے بے نیازی سے گردن ہلا دی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

عثمان چلا گیا تو اس کا فون بجا۔ اس نے موبائل نکال کے اسکرین روشن کی۔

''میں نے ساری جگہ کھود کے دیکھ لی کہ شاید چیزیں آس پاس مٹی میں گر گئی ہوں۔ مگر نہیں۔ سب غائب ہے۔ میں ابھی ملاکہ میں ہوں۔ زمین برابر کر دی ہے اور اینٹیں جوڑ دی ہیں۔ سیمنٹ سوکھ جائے گی تو صحن پہلے جیسا ہو جائے گا۔ مگر بے تالیہ.....ہمارا خزانہ کہاں گیا؟''

تالیہ کی انگلیاں تیزی سے چلنے لگیں۔

''آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ کسی کی جائز کمائی کو یوں لوٹ لیا جائے تو کیسا دکھ ہوتا ہے ایڈم۔ میں ملاکہ سے اسی لیے رات میں ہی واپس چلی آئی تھی کیونکہ اب خزانے کا ذکر میرے لیے تکلیف دہ بن گیا ہے۔ آج سے تالیہ کسی خزانے کا پیچھا نہیں کرے گی۔ اپنی زندگی کا یہ باب میں نے سن باؤ کے صحن میں دفن کر دیا ہے۔''

جس وقت وہ پیغام ٹائپ کر رہی تھی، عثمان اندر کھڑا فائلوں میں الجھے فاتح سے پوچھ رہا تھا۔

''سر وہ بے تالیہ کو کیا کام دینا ہے۔ وہ آ گئی ہیں۔ آپ مجھے بتا دیتے تو میں ان کا اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کروا دیتا۔''

فاتح نے عینک اتاری اور فائل پرے رکھی، پھر ٹیک لگا کے اسے دیکھا۔

''ایش نے اسے میرے پاس بھیجا ہے یہ کہہ کر کہ میں اس کو کوئی اعلیٰ جاب دوں۔''

''اوکے سر! تو کون سی جاب ان کو......''

''لیکن یہ ایش کی غلط فہمی ہے کہ وہ میرے آفس میں آ کے حکم صادر کرے گا اور میں اس کی بات مان لوں گا۔'' سرد لہجے میں کہا گیا اس کا فقرہ عثمان کو ششدر کر گیا۔

''مگر سر آپ نے جاب دینے کا وعدہ کیا تھا۔''

''ہاں اور وعدہ پورا کرنا پڑے گا' اس لیے یوں کرتے ہیں' کسی کو چند دن کی چھٹی دے کر اس کو ہائر کر لیتے ہیں۔ یہ نازک طبع لڑکی ہفتے سے زیادہ نہیں ٹکے گی۔''

''اوکے سر' لیکن ڈیپارٹمنٹ ہیڈز میں سے کسی کو بھی چھٹی دی تو وہ برا مان جائیں گے اور۔۔۔''

''میں ایک سوشلائیٹ کو ڈیپارٹمنٹ ہیڈ بناؤں گا عثمان؟ تمہارا دماغ درست ہے؟'' اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔

''مگر آپ نے ان کو اعلیٰ ترین عہدہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔''

''غلط۔ میں نے وہ جاب دینے کا کہا تھا جو وہ ڈیزرو کرتی ہے۔ تم یوں کرو' عبداللہ سے کہو' جہاں اس نے گیارہ دن چھٹی کی' وہاں بیس دن مزید ناغہ کر لے۔ یہ لڑکی اول تو اس جاب کو اپنی توہین سمجھ کے لینے سے انکار کر دے گی' اور اگر قبول کر لی تب بھی زیادہ دن یہ مجھے برداشت نہیں کر پائے گی۔ روز کے پندرہ سولہ گھنٹے وان فاتح کے ساتھ رہنا آسان نہیں ہوتا۔ ہو گیا مسئلہ حل' عثمان؟ اب مجھے کام کرنے

دو۔"

اس نے سرد انداز میں کہتے ہوئے عینک اٹھائی اور اسے آنکھوں پہ جماتے ہوئے فائل کھول لی۔ آستینیں موڑے' کہنیاں میز پہ جمائے' اب وہ فائل کے مطالعے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"عبداللہ کی جگہ جاب؟" عثمان حق دق رہ گیا۔ "سر... اشعر صاحب بہت خفا ہوں گے۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہو گا۔" ساتھ ہی دو انگلیوں سے اسے نکل جانے کا اشارہ کیا۔

عثمان کے کان سنسنا اٹھے۔ ٹائی کی ناٹ کسی' تھوک نگلا اور ہمت جمع کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

اب اسے باہر جا کے چے تالیہ کو یہ بتانا تھا کہ اس کے باس نے اسے آفس کا سب سے ادنیٰ ترین عہدہ دیا تھا۔

اسے تالیہ مراد کو بتانا تھا کہ.....

آج سے...

وہ وان فاتح بن رامزل کی باڈی وومن ہو گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)